۴۱۸۴ع

تاریخ زبان اردو

تاریخ زبان اردو
۶۱۸۶ع

۵۳	سلطان قلی بانی سلطنت قطب شاہیہ		۶۰	تاناشاہ بھی زبان اردو کا شاعر تھا	۵۵
	ہمدان سے دکن میں آنا	۴۸	۶۱	عہد قطب شاہیہ کے اردو کہنے والے شعرا	۵۵
۵۴	سلطنت قطب شاہیہ کا قیام	۴۸	۶۲	ملا غواصی	۵۶
۵۵	سلاطین قطب شاہیہ کا علمی مذاق	۴۹	۶۳	ملا قطبی	۵۷
	شعرائے گولکنڈہ		۶۴	ابن نشاطی	۵۹
۵۶	سلاطین قطب شاہیہ اور اردو شاعری	۵۲	۶۵	جنیدی	۶۰
۵۷	کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ	۵۲	۶۶	طبعی	۶۱
۵۸	سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری		۶۷	نوری	۶۲
	اور مولوی عبدالحق صاحب کی رائے	۵۴	۶۸	فائز	۶۳
۵۹	سلطان محمد اور سلطان عبداللہ		۶۹	شاہی	۶۴
	کا اردو کلام	۵۵	۷۰	مرزا	۶۴

سلطنت عادل شاہیہ

۷۱	یوسف عادل شاہ کی اصلیت	۶۵	۷۷	نصرتی	۷۷
۷۲	یوسف عادل شاہ کا ہندوستان میں آنا	۶۶	۷۸	امین	۷۷
۷۳	سلطنت عادل شاہی کا قیام	۶۷	۷۹	سیوا	۷۸
۷۴	سلاطین عادل شاہیہ کا مذاق علمی	۶۷	۸۰	مومن	۷۹
۷۵	سلاطین عادل شاہیہ اور زبان اردو		۸۱	ہاشمی	۷۹
	شعرائے بیجاپور		۸۲	مرزا	۸۲
	[illegible]	۷۲			

شعرائے دکن
مغلوں کے عہد حکومت میں

۸۳	دکن کی سلطنتوں کی تباہی اور ملک پر مغلوں کا تسلط	۸۳	۸۶	امین	۸۸
			۸۷	ولی دکھنی	۸۹
۸۴	عاجز	۸۴	۸۸	وجدی	۹۲
۸۵	بحری	۸۶	۸۹	آزاد	۹۴

شعرائے اورنگ آباد

۹۰	ولی (اورنگ آبادی)	۹۶	۹۲	سراج	۱۰۱
۹۱	داؤد	۱۰۰			

دہلی میں زبان اردو

۹۳	عہد عالمگیر اور لغات اردو کی تدوین	۱۰۳	۹	دور اول کے شعرا	۱۰۵
۹۴	فارسی شعرا اور اردو زبان	۱۰۴			

نثر اردو

۹۶	دکن میں نثر نویسی کی ابتدا	۱۰۷	۱۰۱	شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیا	۱۰۹
۹۷	شیخ عین الدین گنج العلم کے رسالے	۱۰۷	۱۰۲	نور دریا قادری کے رسالے	۱۱۱
۹۸	معراج العاشقین	۱۰۷	۱۰۳	اسرار التوحید	۱۱۱
۹۹	میران جی شمس العشاق	۱۰۸	۱۰۴	شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا	۱۱۲
۱۰۰	سب رس	۱۰۸			

۱۰۵	ضمیمہ اول	شیخ سعدی	۱۱۴
۱۰۶	ضمیمہ دوم	طوطی نامہ	۱۱۵
۱۰۷	ضمیمہ سوم		

٦١٨٦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفتم بہ کلیسیائے ترسا و یہود | ترسا و یہود و جملہ را روئے تو بود
از شوقِ جمالِ تو بہ بُت خانہ شدم | تسبیح بُتاں زمزمۂ ذکر تو بود

شعرائے اردو کی تذکرہ نویسی بارہویں صدی ہجری کے اخیر ایام سے شروع ہوئی ہے اور اُسوقت سے زمانہ حال تک ستّر اسّی تذکرے لکھے گئے ہیں لیکن ان سب کی ابتدا اُس عہد سے ہوئی ہے جب کہ ہندوستان کے دارالسلطنت (دہلی) میں ریختہ گوئی کا آغاز ہوا اور اس سے پہلے جو شعرا سرزمین دکن میں گزرے ہیں اُنکے حالات نظر انداز کردیے ہیں۔ اس فروگزاشت کا یہ نتیجہ ہوا کہ قدیم شعرا کے حالات ناپید ہوگئے اور تاریخِ اُردو کا دورِ قدیم پردۂ خفا میں مستور ہوگیا۔

آج سے کم و بیش پندرہ سال پہلے جب اُردو اور ہندی کی بحث چھڑی تو اُس کے ضمن میں اُردو کی قدامت اور عمومیت بھی معرض بحث میں آگئی۔ حامیانِ اُردو نے ان مباحث پر جو مضامین شایع کیے اُنمیں دورِ قدیم بالکل مفقود نظر آیا۔ اس کمی کو محسوس کرکے ہم نے ایک مضمون "قدیم شعرائے اُردو" کے عنوان سے لکھا اور اس میں اُن اُردو شعرا کے حالات اور اُن کی زبان کے نمونے درج کیے جو دہلی میں ریختہ کے رواج پانے سے پہلے سرزمین دکن میں گزرے تھے۔[1]

[1] ہمارا یہ مضمون ۱۹۱۰ء میں "لسان العصر لکھنؤ" کے تین نمبروں میں شائع ہوا ہے جس کے ۴۳ صفحات ہیں اور اسکی تقسیم موجودہ مضمون کی تقسیم سے کسیقدر متغایر ہے پہلے حصہ میں عادلشاہی شعرا کا ذکر ہے [illegible] میں بعد خواجہ نصرتی اور ہاشمی اور سیوا کے حالات علی الترتیب ہیں اسکے بعد دوسرے حصہ میں قطب شاہی شعرا [illegible] پہلے ملا نوری غواصی نصرتی کا حال ہے تیسرے حصہ میں عاجز وجدی اور ولی کے حالات ہیں اور اسطرح امین [illegible] کا تذکرہ آیا ہے

[illegible]

سے دیکھا گیا اور **مولانا حالی** و **علامہ شبلی** جیسے مشاہیر علما نے اُسے اپنی نوعیت کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بلند ہو گئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کر لیا اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اس کا سرمایہ بھی فراہم ہو گیا لیکن بعض دوسرے امور اور اتفاقی موانعات کے باعث اسکی ترتیب و تدوین نہو سکی اور اسی طرح ایک مدت گزر گئی یہانتک کہ سنہ ۱۹۲۴ء ختم ہونے کے قریب ہو گیا ڈسمبر میں مدیر **تاج** نے اس مضمون کو مکمل کرنے کی فرمایش کی۔ ہمنے کام شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں دار المصنفین نے **گلِ رعنا** شایع کیا اور اسمیں ایک مستقل دور **شعرائے دکن** کا ہماری نظر سے گزرا لیکن ہم نے اُسے نہایت ناقص اور نامکمل پایا جسکے باعث مضمون مکمل کرنے کی مزید تحریک ہو گئی اور ہمارے پاس جس قدر سرمایہ جمع تھا اُسے اوراقِ ذیل میں منضبط کر دیا اور یہ مضمون استقدر بڑھا کہ گذشتہ مضمون سے چوگنا ہو گیا۔ مگر ہمارے رائے میں اب بھی یہ مضمون مکمل نہیں ہے کیونکہ ہم نے ایسے بہت سے شعرا اور نثر نگاروں کے حالات دانستہ قلم انداز کر دئے ہیں جنکا عہد محتاجِ تصدیق ہے یا جن کی تصنیفات ہمیں ناقص دستیاب ہوئی ہیں اگر کچھ عرصہ ہم اس بارے میں سعی کرتے اور مضمون جلد ختم کرنے کے لئے مدیر تاج کا اصرار نہ ہوتا تو یہ مضمون کئی سو صفحات پر پھیل جاتا۔

ہم نے جب مضمون لکھنا شروع کیا تھا تو اُس وقت ہماری یہ رائے تھی کہ "لفظ **اُردو** لشکرگاہ کے معنی میں **شہنشاہ بابر** کے ساتھ ہندوستان میں آیا[1] اور اس کے ایک عرصہ بعد **زبانِ اُردو** کے لئے مستعمل ہوا" ہماری اس رائے کا ماخذ **یول** اور **برنل** کی لغات تھی۔ لیکن بعد میں اس رائے کی غلطی ثابت ہو گئی۔ **علاؤالدین جوینی** کی تاریخ **جہانگشای** اور **رشید الدین فضل اللہ** کی **جامع التواریخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ **چنگیز خان** اور اسکی اولاد

---

[1] دیکھئے مضمون ہذا کا صفحہ (۴)

کے زمانے میں مغلیہ بادشاہوں اور شہزادوں کے فرودگاہوں اور لشکرگاہوں کو **اردو** کہا کرتے تھے یہانتک کہ انکا دارالحکومت بھی **اردو** کہلاتا تھا۔

"وایں قایدورا در **اردو** چنگیز خاں بزرگ کردند" ۱؎

"مادراو قتائی بوده ارکنه نام واورا در اردو جغتائی پروردند" ۲؎

"درایام دولت او از مشرق تا مغرب وشمال وجنوب وامراء وحکام وعمال ونواب روئے **باوردوئے** او آوروند" ۳؎

"اوتگین خواست که به تغلب وتہور خانی بگیرد بدیں عزیمت **باردوئے** قاآن رواں شد" ۴؎

درعہد دولت قاآن اورا در **اردوئے** تور اکینا خاتون آمد شدی بودی ۵؎

خروج **چنگیز خاں** کے بعد **سلطان شمس الدین التمش** کے زمانے سے **سلطان محمد بن تغلق** کے عہد حکومت تک مغلوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور کم وبیش سو سال تک **ہندوستان** کا شمالی خطہ ان کی تاخت وتاز کا جولانگاہ بنا رہا اسی زمانے سے ہندوستان میں لفظ **اردو** کا استعمال شروع ہوا اور یہاں بھی لشکرگاہ کو اردو کہنے لگے۔ **مؤید الفضلا** سے (جو فارسی کی ایک مستند لغت ہے اور **بابر** کی آمد سے ایک عرصہ پہلے **سلطان ابراہیم** کے عہد میں لکھی گئی ہے) ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں اسلامی لشکرگاہیں **اردو** کہلاتی تھیں اور **زبان اردو** کو **اہل اردو** کی زبان کہا کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ایک مقام پر تحریر ہے:-

"درزبان اہل اردو **خون خرابا** نامند"

۱؎ جامع التواریخ جلد دوم ص

۲؎ " " " ص ۱۳

۳؎ " " " ص ۲۵۳

۴؎ تاریخ جہانگشای جلد اول ص ۱۹۹

۵؎ " " " ص ۲۰۰

ہاشمی بیجاپوری کے حالات میں یوسف زلیخا کے سال اختتام کو بیان کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے کہ "یہ مثنوی سکندر عادلشاہ کے اوائل عہد میں شاہ ہاشم کی وفات سے تینتالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے"[ف۱] اس مقام پر ہم سے سہو ہوگیا ہے عالمگیر نے ۱۰۹۷ھ کے اخیر ایام میں بیجاپور فتح کیا اور عادلشاہیوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا[ف۲]۔ شاہ ہاشم نے ۱۰۵۹ھ میں انتقال فرمایا تھا[ف۳] اس لحاظ سے محولہ بالا عبارت اسطرح صحیح ہوتی ہے "یہ مثنوی انقراض سلطنت عادلشاہیہ کے ٹھیک ایک سال بعد اور شاہ ہاشم کی وفات کے چالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے"

ملا قطبی کے حالات میں فارسی تحفۃ النصائح[ف۴] کا دوسرا شعر نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ اور دوسرا مصرعہ چھوٹ گیا ہے۔ پورا شعر اسطرح ہے۔

عظمے بداده عرش را　　پر ز پایش طائرے
چوں برق سالے چار صد　　آنکہ رسد پایہ دگر

ولی دکھنی کے حالات میں میر باقر آگاہ کی تصنیف ریاض الجنان کا نام غلطی سے مراۃ الجنان لکھا گیا ہے[ف۵]

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں تاریخ وصال موجود ہے لیکن سنہ چھوٹ گیا ہے[ف۶] جو ۸۲۵ھ ہے حالانکہ اسی سنہ کو ہم نے ایک دوسرے موقع پر درج کیا ہے[ف۷]

ان غلطیوں کے علاوہ بعض جگہ طباعت و کتابت کی چند اور غلطیاں ہیں جو چنداں اہم نہیں ہیں انہیں ناظرین بروقت مطالعہ بلا دقت درست کرسکتے ہیں۔

ف۱ مضمون ہذا ص ۸
ف۲ مآثر عالمگیری ص ۲۷۰
ف۳ مضمون ہذا ص ۲۴
ف۴ مضمون ہذا ص ۵۸
ف۵ مضمون ہذا ص ۸۹
ف۶ " " ص ۴۳ سطر ۱۳
ف۷ " " ص ۲۲ سطر ۴

۱

آریاؤں کی مقدس زبان سنسکرت کو جناب مسیحؑ سے صدیوں پہلے انحطاط ہو گیا تھا اور اس کی بجائے ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مروّج ہو گئی تھیں جن کو پراکرت کہتے تھے۔

سنسکرت کا انحطاط اور پراکرت کا رواج

پراکرتوں کو کس زمانہ سے رواج ہوا ہے۔ اس کا سراغ لگانا دشوار ہے لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے پراکرت زبانوں کو رواج عام حاصل ہو گیا تھا بدھ اور جین مت[1] کی مذہبی زبان پراکرت تھی۔ سکندر کبیر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا ہے[2] تو اوس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ راجہ اشوک[3] کے کتبے پراکرت میں کندہ ہوئے تھے

مشہور پراکرت

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ہے ہندوستان میں بیس سے زیادہ پراکرت بولی جاتی تھیں۔ لیکن اِن میں ذیل کی پانچ پراکرت زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔

---

[1] بدھ اور جین مذاہب کے بانی مہابیر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں اور جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گذرے ہیں۔

[2] سکندر کبیر نے ۳۲۵ ق ع اور ۳۲۷ ق ع کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔

[3] راجہ اشوک نے ۲۷۲ ق ع سے ۲۳۱ ق ع تک حکومت کی ہے۔

(۱) پالی ۔ یہ زبان مگدھ میں (جسے آجکل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔ اسمیں بدھ مذہب کا مذہبی لٹریچر تھا جسکے باعث سیلون برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی۔

(۲) جینا پراکرت ۔ اِسکی دو شاخیں تھیں ایک میں جین مت کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں۔ دوسری وہ ہے کہ جسمیں جین کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھے گئے تھے ۔ یہ زبان جینا مرہٹی کہلاتی تھی۔

(۳) مہاراشٹری ۔ یہ زبان مہاراشٹر (جسے آجکل مرہٹواڑی کہتے ہیں) میں مروج تھی اور آرین و پار تھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی

(۴) سوراسینی ۔ یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آجکل متھرا کہتے ہیں) بولی جاتی تھی ۔

(۵) مگدھی زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدھ میں اس کا رواج تھا

پراکرت آریہ قبایل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تغیر سے بنی تھیں ۔ انکے علاوہ جنوب میں دریائے کرشنا کے نیچے ڈراویڈین اقوام کی متعدد زبانیں مروج تھیں ۔ مثلاً تلنگی، کنڑی، تامل، ملیالم وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور یہ تورانی السنہ سے ان کا تعلق تھا۔

سوراسینی کا مرکز برج تھا جس کے باعث اس کو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے ۔ بہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا ۔ بہار سے سندھ اور لاہور سے مالدہ تک

سوراسینی یا برج بھاشا

بولی جاتی تھی اور حضرت مسیحؑ کے ظہور سے پہلے اُس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ حاصل ہو گیا تھا وراروچی نے جو راجہ وکرمادیتہ[1] کا درباری عالم تھا اس کے گرامر (صرف ونحو) کو مدون کیا تھا[2]۔ اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی

زمانہ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ زبانِ اردو کا منبع ومخرج برج بھاشا ہے اور اسکی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تیرہ چودہ پندرہ اور اسی قبیل کے اور بہت سے الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں وراروچی نے اُنہیں اپنی گرامر میں بجنسہ بیان کیا ہے[3]۔ مسلمان فاتحوں سے جب ہندؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل گئی جسکے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبانِ اردو کے نام سے موسوم ہوئی

(اردو کا منبع ومخرج برج بھاشا ہے)

اردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور لشکرگاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(لفظ اردو کی تحقیق)

یک شمہ بہ ایوانِ تو خورشید منور
یک خیمہ در اردوئے تو گردونِ معلی

اہل تاتار تاتار خان کے لشکرگاہ کو اردو کہا کرتے تھے[4] چنگیز خان

---

[1] راجہ وکرمادیتہ اوجین کا مشہور راجہ ہے۔ مشہور شاعر کالیداس اسی کا درباری شاعر تھا۔ جناب مسیحؑ سے چھپن سال پہلے اس نے ہاخر پر حملہ کیا ہے۔

[2] وراروچی کی گرامر پراکرت پرکاش کے نام سے مسٹر کاول نے ۱۸۶۸ء میں بمقام لندن چھپوائی ہے۔

[3] دیکھو پراکرت پرکاش فصل اول فقرہ نہم فصل دوم فقرہ چہل وچہارم۔

[4] جامع التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۷ حاشیہ

کے بیٹے جوجی خان کی اولاد نے دشتِ قبچاق اور روس و بلغار میں ایک وسیع حکومت قائم کرلی تھی۔ اسکے حکمران جب کسی مہم پر مستقر سے روانہ ہوتے تو زریں خیموں میں قیام کیا کرتے تھے۔ اور اس کے باعث ان کی لشکر گاہیں اردوئے مطلا کہلاتی تھیں اور خود خوانین اردوئے مطلا کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے[1]

اُردو کا لفظ لشکر گاہ کے معنی میں شہنشاہ بابر (۹۳۲ھ تا ۹۳۷ھ) کیساتھ ہندوستان میں آیا[2] ہی سلاطین مغلیہ کے درباری مورخ اس لفظ کو شاہی لشکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں[3]۔ لشکر گاہوں میں جو سکے مضروب ہوئے ہیں اُن پر دارالضرب کا نام اُردو سکوک ہے[4]

---

[1] خوانین اُردوئے مطلا ۶۲۲ھ سے ۹۰۶ھ تک برسرِ حکومت رہے ہیں انکی تین شاخیں تھیں (۱) خاندان باتوخان ان کا دارالحکومت سرائے دریائے والگا پر آباد تھا۔ (۲) خاندان تغاتیمور بلغار میں انکی حکومت تھی اور قازان انکا مستقر تھا (۳) خاندان شیبانی ان کو ازبک بھی کہتے ہیں۔ ابتداءً کرغیز میں انکی حکومت تھی۔ پھر خیوا اور بخارا میں آکر برسرِ حکومت ہو گئے تھے۔ شرف الدین علی یزدی کے ظفر نامہ پر شاہرخ کے زمانہ میں جو مقدمہ لکھا گیا اسمیں ان خاندانوں کے مفصل حالات ہیں اور غیاث الدین خوندمیر نے حبیب السیر جلد سوم جزاول صفحہ ۴۳ میں ان کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

[2] بابر نے ۹۳۲ھ میں ہندوستان کو فتح کیا ہے اور فتح دہلی و آگرہ کے جو فتح نامے اطراف واکناف میں روانہ کئے تھے اسمیں اپنے لشکر کو اُردوئے نصرت شعار کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ دیکھو بابرنامہ طبع قازان صفحہ ۴۱۳

[3] طبقات اکبری صفحہ ۱۸۵ صفحہ ۳۱۳ صفحہ ۳۱۵ صفحہ ۳۲۷ اقبال نامہ جہانگیری صفحہ ۲۰۹

[4] بابر کے ایک سکہ پر جو ۹۳۷ھ میں مضروب ہوا ہے ضرب اُردو سکوک ہے (فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور مرتبہ مسٹر وائٹ ہیڈ۔) شہنشاہ اکبر نے اجمیر ۹۸۴ھ اور پنجاب ۹۸۶ھ کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر دارالضرب کا نام اردوئے ظفر قرین ثبت ہے (فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ انڈین میوزیم جلد سوم۔) جہانگیر نے جلوس کے گیارھویں سال ۱۰۲۵ھ میں مالوہ کی جانب سفر کیا اور دوران سفر میں جو سکے مضروب کرائے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے اور یہ دارالضرب "اردو در راہ دکن" کے نام سے موسوم ہوا ہے (فہرست سکہ جات پنجاب میوزیم نمبر ۱۲۰) سے بار دو سکہ زد در راہ دکن شاہ بحر و بر شہنشاہ زمانہ شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر جہانگیر نے جلوس کے بائیسویں سال (۱۰۳۶ھ) کشمیر کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے اپر حسب ذیل بیت کندہ ہے (نیومسماٹک سپلیمنٹ نمبر اول آرٹیکل ۴ مشمولہ رسائل بنگال ایشاٹک سوسائٹی بابتہ ۱۹۰۴ء)

بادرواں تا کہ بود مہر و ماہ سکہ اردوئے جہانگیر شاہ

اکبر ۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ کے زمانے سے شاہی لشکر اور دار الحکومت کے لشکر گاہ کو اردوئے معلی کہا کرتے تھے[1] - اور اس کا بازار اردو بازار کہلاتا تھا۔

اُردو عام طور پر مغلیہ اردو یعنے لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اس کا نام زبانِ اُردو یعنے اہل لشکر کی زبان شہرت پایا اور بعد میں کثرت استعمال سے لفظ زبان حذف ہو گیا۔ اور عام طور پر اُردو کہنے لگے[2]۔

اُردو کا دوسرا نام زبانِ ریختہ ہے۔ قدماء نظم اُردو کو ریختہ کہا کرتے تھے[3] - ولیؔ دکھنی کے ایک شعر میں آیا ہے۔

یہ ریختہ ولی کا جا کر اوسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

لغت میں گری پڑی چیز کو ریختہ کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے

خونم چو شود ریختہ مستی کند آن چشم
از ریختہ ذوق است و طرب در سرِ ہندو

لیکن شعراء فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں سے مخلوط ہو۔ قدمائے اردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ اسقدر عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبانِ ریختہ مشہور ہو گیا۔

[1] طبقات اکبری صفحہ ۳۱۶ و صفحہ ۳۱۷

[2] گلستان سخن صفحہ ۶۵ سید انشاء اللہ خان نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ "خوش بیانان آنجا (دار الخلافہ شاہجہان آباد) متفق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ و در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبانے تازہ سوائے زبانہائے دیگر بہم رسانیدند و بہ اردو موسوم ساختند۔

[3] تحقیق زبان ریختہ صفحہ ۲

ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

امیر المومنین حضرت عمر الفاروقؓ ۱۳ھ-۲۳ھ کے زمانے سے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے۔ ۱۵ھ میں عثمان بن عاص الثقفی نے جو عمان و بحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا۔ اِن کے جنگی جہاز بمبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اس کے چند ماہ بعد انہیں نے دو اور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے۔ جنکے افسران کے دو بھائی مغیرہ اور حکم تھے۔ مغیرہ نے دیبل پر اور حکم نے بروص بھروچ پر یورش کی۔ لیکن اِن کا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا۔ ۲۲ھ میں جب ایران فتح ہو گیا اور مسلمان عراق سے خراسان تک تمام ممالک پر قابض و متصرف ہو گئے ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے۔ جیسے مکران و سیستان و طخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمانؓ ۲۳ھ-۳۵ھ کے زمانہ میں مفتوح ہوئے اسکے بعد ہندوستان پر اسلامی حملوں کا آغاز ہوا۔ ۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کیا اور تاخت و تاز کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام ملک اسلامی تصرف میں آگیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بیس سال تک سندھ پر متعدد حملے کئے۔ اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کرلیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان ۶۵ھ-۸۶ھ کے زمانہ میں جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا

گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے لیکن ان میں ۸۶ھ کی مہم نہایت کامیاب ہوئی۔ اس کا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے دیبل کو فتح کیا۔ پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا۔ ۹۶ھ تک برہمن آباد۔ الور اور ملتان فتح ہو گئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالاستقلال قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد محمد قاسم معزول ہو کر دربارِ خلافت میں چلا آیا۔ اور اسکے بجائے تمیم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

سندھ میں عربوں کی حکومت

فارسی اور انگریزی مورخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (۲۲۷ھ ۲۳۳ھ) کے زمانہ تک دربارِ خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ انکا مستقر حکومت تھا جب خلافتِ بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے انکے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم کر لیں۔ یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و مکران تک پھیلی ہوئی تھیں اور انکے حکمران سلاطین شنسبانیہ کے تسلط تک ملک سندھ پر قابض و متصرف تھے۔

غزنین میں سلطنت اسلامیہ کا قیام

ہندوکش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسلامی حکومت قایم ہوگئی تھی۔ لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اس کے نیچے اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ۳۲۴ھ میں الپ تگین نے جو سلاطین سامانیہ کا ترکی غلام تھا غزنین میں ایک مستقل حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ حکومت ایسے ملک میں قایم ہوئی جو ہندوستان و خراسان کے بیچ میں واقع تھا اور یہاں سے باسانی ہندوستان میں آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ اسوقت پنجاب میں راجہ جے پال حکمران تھا۔ اسکی حکومت نیلاب (دریائے سندھ) کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوتی تھی سبکتگین (۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) جو الپ تگین کا جانشین تھا۔ راجہ کیساتھ وادی لمغان میں دو لڑائیاں کیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا[1]۔

سلطان محمود کی فتوحات

سبکتگین کے بعد سلطان محمود (۳۸۷ھ تا ۴۲۱ھ) برسر حکومت ہوا اس کے زمانہ سے ہندوستان کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں۔ اس نے ۳۹۲ھ (۱۰۰۱ء) سے ۴۱۵ھ (۱۰۲۴ء) تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے[2]۔ اور نیلاب کو عبور کر کے جنوب میں کوہستان ہمالیہ تک اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا چلا گیا

---

[1] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۷ الفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۱۴

[2] سلطان محمود کے مفصل حالات طبقات اکبری تاریخ فرشتہ منتخب التواریخ اور الفنسٹن ہسٹری میں ...

اُسکی فتوحات کے انتہائی مقام مشرق میں کالنجر اور مغرب میں سومنات تھے پہلا مقام تینجس (دریائے گنگا) کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ محمود نے ۴۰۹ھ میں قنوج و متھرا کو فتح کیا[۱] ۴۱۳ھ میں کالنجر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنایا[۲] ۴۱۵ھ میں گجرات دار السلطنہ نہروالہ پٹن کو فتح کرکے سومنات کو تاخت و تاراج کیا[۳]۔ محمود کے بعد اوسکی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا۔ لیکن پنجاب پر انکا قبضہ بدستور قایم رہا۔

اس زمانہ میں آل شنسب کو عروج حاصل ہوا اور بہرام شاہ (۵۱۲ھ ۵۴۷ھ) کے زمانہ میں غزنین پر اِن کا قبضہ ہوگیا۔ اُس وقت آل سبکتگین کے ہاتھ میں صرف پنجاب کی حکومت باقی رہ گئی۔ بہرام شاہ نے غزنین سے نکلکر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور لاہور کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اسکے بعد اسکے دو جانشین خسرو شاہ (۵۴۷ھ ۵۵۵ھ) اور خسرو ملک (۵۵۵ھ ۵۸۳ھ) کم و بیش چھتیس سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے ۵۸۳ھ میں محمد بن سام جسکا لقب شہاب الدین غوری ہے لاہور کو فتح کرلیا۔ آل سبکتگین کا خاتمہ ہوگیا اور پنجاب آل شنسب کے تصرف میں آگیا۔

اسکے بعد محمد سام نے ہندوں سے لڑائی جھگڑے شروع کئے اسوقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے۔ تومرا دہلی میں

---

۱ طبقات اکبری ص ۵ فرشتہ جلد اول ص ۲۹

۲ طبقات اکبری ص ۹ فرشتہ جلد اول ص ۳۱

۳ طبقات اکبری ص ۹ فرشتہ جلد اول ص ۳۲

چوہان اجمیر میں راٹھور قنوج میں باگھیلے گجرات میں۔ دہلی کا راجہ
ناگ دیو جب لاولد مر گیا تو اسکا نواسہ رائے پتھورا جو اجمیر کا راجہ تھا دہلی
میں بر سرِ حکومت ہوا۔ اور اسطرح پر تومرا خاندان کی حکومت چوہان خاندان
میں منتقل ہوگئی[1]

محمد بن سام نے فتح لاہور کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو رائے پتھورا
نے ٹراوری میں اسکو پسپا کر دیا۔ لیکن اس کے دو سال بعد ۵۸۹ھ میں بمقام تھانیسر
اس نے فتح حاصل کی اور راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ اجمیر اور دہلی مسلمانوں کے تصرف
میں آ گئے۔ اسکے بعد ۵۹۰ھ میں قنوج مفتوح ہوا۔ اس اثناء میں اودھ اور بہار
بھی مسخر ہوگئے۔ غرض کہ سندھ سے بنگالہ تک اور لاہور سے بیانہ
تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ ۶۰۲ھ میں دریائے نیلاب
کے پاس ملاحدہ اسمٰعیلیہ نے محمد سام کو شہید کر دیا[2]۔ اسکے بعد انکی
سلطنت انکے غلاموں میں تقسیم ہوگئی تاج الدین یلدوز غزنین میں
ناصر الدین قباچہ سندھ میں قطب الدین ایبک دہلی میں بہاء الدین طغرل
بیانہ میں خود مختار ہوگئے طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایبک
کے قبضہ میں آ گیا جسکے باعث دہلی کی عملداری جنوب میں نربدا تک پھیل گئی اسی
زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہو گیا۔ التمش کے
زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو انکے
علاقے بھی سلطنت دہلی میں شامل ہوگئے۔

[illegible]

---

[1] الفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۵۲

التمش کے جانشینوں نے توسیع سلطنت کی بہت کم کوشش کی لیکن
جب انکی حکومت خلجی خاندان میں منتقل ہو گئی تو سلطان علاءالدین محمد
(۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء) نے دکن کی جانب پیش قدمی کی ۷۰۶ھ میں دیوگڈھ فتح ہوا
۷۰۹ھ میں ورنگل اور ۷۱۰ھ میں کرناٹک مفتوح ہوئے اس آخرالذکر فتح
کی بدولت مسلمان انتہائے جنوب میں بندر رامیشورم تک پہنچ گئے اور وہاں
سلطان علاءالدین کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کیگئی جو جہانگیر کے زمانہ تک
موجود تھی [۱]

سلطان علاءالدین خلجی (۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء) کے زمانہ سے ملک دکن
سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا اور اس کے بعد قریباً چالیس سال تخت دہلی
سے اس کا تعلق قایم رہا۔ محمد بن تغلق (۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) کے زمانہ میں
امرائے دکن نے بغاوت کی جس کے باعث دہلی کی حکومت سے دکن
آزاد ہو گیا۔ اور یہاں ۷۴۶ھ کے قریب ایک نئی سلطنت بہمنیہ (۷۴۶ھ ۹۳۳ھ)
قایم ہو گئی جسکے فرمانروا کم و بیش دو سو سال تک حکمراں رہے۔ نویں صدی سے
اس کو بھی انحطاط شروع ہوا۔ اور پچاس سال کے اندر ملک کو مختلف سرداروں نے
تقسیم کرلیا اور ایک سلطنت کے عوض پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قایم ہو گئیں۔

۴

عربوں کے دور حکومت میں سندھ کی لسانی آبادی

جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں آئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدن لیتے آئے اور اسے ملک میں اس قدر پھیلایا کہ سندھ شام و عراق کا نمونہ بن گیا سندھ میں کم و بیش پانسو سال انکی حکومت رہی ہے۔ اس عرصہ میں عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل نے آکر سندھ میں سکونت اختیار کرلی اور یہاں کے باشندوں کیساتھ اسقدر اختلاط بڑہایا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہوگیا۔ ابن حوقل جو چوتھی صدی کا مشہور سیاح ہے جب سندھ میں آیا تو دیکھا کہ یہاں کے ہندو مسلمان دونوں کی ایک سی معاشرت ہے دونوں ایک زبان بولتے ہیں سندھ میں عربی ہندی بولی جاتی ہے ملتان میں ملتانی اور فارسی کا رواج ہے

آل سبکتگین کا زمانہ پنجاب کی لسانی آبادی

آل سبکتگین اور سلاطین شنسبانیہ کے زمانہ میں جو مسلمان ہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے ابتداء میں ان کا مرکز حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانہ سے سپہ سالار رہا کرتے تھے ابوالحسن علی بن عثمان الهجوری (المتوفی ۴۵۶ھ) و فخرالزہاد شیخ فخرالدین زنجانی جو شاہیر مشایخ صوفیہ سے تھے اس زمانہ میں لاہور میں آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے مسعود سعد سلمان۔ ابوالفرج رونی ابو عبداللہ نکتی

[1] ابن حوقل نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۹ھ تک بلاد اسلامیہ میں سفر کیا ہے اور ۳۶۶ھ میں اپنا سفرنامہ مدون کیا ہے جسکا نام المسالک والممالک ہے اور اسے دی خویہ نے ۱۸۷۳ء میں چھاپکر شائع کیا ہے۔

اور حمید الدین مسعود جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے تھے
مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اس نے ایک مدرسہ بھی جاری
کیا تھا جو صدیوں قایم رہا اور اس میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

سلاطین دہلی کے زمانہ میں ہندوستان میں اسلامی آبادی

جانشینان محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بیانہ بہار
لکھنوتی وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے۔ اور جس قدر مقامات
فتح ہوتے گئے وہاں بڑے بڑے اکابرین اور ان کے مرید و معتقدین نے
بھی سکونت اختیار کی۔ اس طرح سو سال کے اندر اندر نیلاب سے بنگال
تک اور لاہور سے کرشنا تک مسلمان تمام ملک میں پھیل گئے۔ اور ان کے ساتھ
انکا مذہب ان کا تمدن اور ان کی زبان بھی پھیل گئی۔ چنانچہ ابن بطوطہ[1] جو
ساتویں صدی کا مشہور سیاح ہے ہندوستان میں آیا اور اس سرے سے
اس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اس نے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور
اسلامی آثار سے معمور و مملو پایا۔

ہندوستان کا اسلامی تمدن عجمی عربی اور ہندی تمدن کا مخلوط ہے

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدن اور اپنی
زبان ساتھ لائے لیکن مفتوح اقوام پر اس کا ایسا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا کہ
مصر و ایران میں پڑا تھا۔ ان ممالک میں اسلامی تمدن اور اسلامی
زبان نے قدیم تمدن اور قدیم زبان کو نا پید کر دیا۔ اسکے خلاف ہندوستان

---

[1] ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ۱۳۳۳ء میں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں آیا اور دس سال یہاں رہکر ۱۳۴۲ء میں چین کو چلا گیا۔ اس کا سفرنامہ فرنچ ترجمہ کیا تھا دی فریمری نے ۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۸ء میں بمقام پیرس چھپوایا ہے۔

میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا۔ لیکن فاتحین کا تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ مفتوحین کے تمدن میں ضم ہو جاتا۔ اسلئے دونوں تمدن کے ملنے سے ایک تیسرے تمدن کا ظہور ہوا۔ یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آئی۔ فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے۔ لیکن ہندوؤں کی زبان بھی انکی عام زبان نہ ہو سکی۔ بلکہ دونوں اقوام کی زبانوں کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اُردو کے نام سے مشہور ہے۔

اُردو زبان جو اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بولتے تھے۔ لیکن انکی فارسی خالص فارسی نہ تھی۔ بلکہ اسمیں عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہو گئے تھے ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا (سورا سنی) اگرچہ کہ دوآبہ کی زبان تھی۔ لیکن پانچویں صدی ہجری تک اسکو بے حد وسعت ہو گئی تھی۔ بہار سے نیلاب اور نیلاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک کے اوس خطہ کی عام زبان تھی۔ جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قایم ہوئی۔ مسلمان آباد ہو گئے اور اسلامی تمدن نے نشو و نما پائی مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اسمیں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔

اُردو کی ابتدا کے متعلق مختلف مصنفین کی رائیں

برج بھاشا کا یہ تغیر کب سے شروع ہوا اور اُردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اسکی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے۔

سر سید احمد خان نے آثار الصنادید (تالیف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ :-

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی تھی مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے۔ پھر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں ہی کے زمانہ سے یعنے حضرت مسیح کی تیرھویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کیے تھے اور کچھ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں اپنی زبان میں کہی تھیں جن میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے۔ غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو۔ مگر ایسا نہ تھا جسکو جدا زبان کہا جائے۔

جب کہ شاہ جہان بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ ہجری مطابق ۱۶۴۸ء عیسوی میں شہر شاہ جہاں آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت ملگئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بسبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدیل ہو گئی غرض کہ لشکر بادشاہی اور اردوئے معلی میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تخمیناً ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء عیسوی کے یعنے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنا شروع ہوا[1]"

میر امن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ :-

"جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی[2]"

مولوی عبد الغفور خاں نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ (تالیف ۱۲۷۵ھ) میں لکھا ہے کہ :-

---

[1] آثار الصنادید - طبع نامی پریس کانپور ۱۹۰۴ء حصہ سوم صفحہ ۲ و ۳

"زبان اردو روزمرہ شہر دہلی کو کہتے ہیں۔ اس شہر میں قدیم الایام سے برابر زبان ہندی
مروج تھی۔ ہر شخص اسی زبان میں کلام کرتا تھا۔ جب ۵۸۸ھ میں سلطان معز الدین
مشہور بہ شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی اہل ہند کو شکست
دی۔ رائے پتھورا کا کام تمام کیا۔ تمام ملک ہند۔ سلاطین غور کے قبضۂ اختیار میں
آیا۔ رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ فارسی عربی و ترکی ملتا گیا جب محمد شاہ بن تغلق شاہ
سریر آرائے سلطنت ہوئے تو باشندگان دہلی پر ایک تازہ ظلم کیا کہ ان کو شہر میں
رہنے نہ دیا۔ دیوگیر معروف بدولت آباد میں بھیج دیا۔ اور پھر قبل اپنی سلطنت کے زوال
کے ان لوگوں کو دہلی میں بلا لیا۔ اس نقل و حرکت کے باعث بہت سے الفاظ دکھنی بھی
زبان دہلی میں مل گئے۔ یہی انداز گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ تک رہا۔ لیکن جب
شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ میں شاہ جہاں آباد کو آباد کیا تو شاہ جہاں آباد
میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہوئے
قدیم ہندی متروک ہونے لگی۔ محاورے میں فرق ہونے لگا۔ زبان اردو کی ترقی
شروع ہوئی۔"

مرحوم سر سید کا بیان ہے کہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۹ھ) کے زمانہ تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا جب شاہ جہاں آباد آباد ہوا تو وہاں کے شاہی لشکر اور اردوئے معلیٰ میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اردو زبان پیدا ہوئی۔ اسکے برخلاف میر امن دہلوی کہتے ہیں کہ اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں اسکی ابتدا ہوئی ہے۔ دونوں کے برخلاف مولانا نساخ کا بیان ہے کہ محمد بن سام (۵۶۹ھ ۶۰۲ھ) کی فتوحات کے بعد اور محمد بن تغلق (۷۲۵ھ ۷۵۲ھ) کی تخت نشینی سے پہلے اردو کی بنیاد پڑی ہے۔

یہ بیانات مقامی مصنفین کے تھے۔ اب ہم یوروپین مستشرقین کی تصریحات کو بیان کرتے ہیں۔

مسٹر بیمز نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عرصہ دراز

تک مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا مسلمان مدت تک فصیح ہندی بولنے کے عادی تھے اور انہوں نے ہندی میں فارسی الفاظ کو نہیں ملایا تھا۔ اکبر (سنہ ۹۶۳ھ سنہ ۱۰۱۳ھ) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگزاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے اس زمانہ سے ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اسطرح پر ایک جدید زبان اردو کی بنیاد پڑی [1]

اردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گل گرسٹ نے ہندوستانی فیلالوجی میں ایک مسلمان مورخ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور (سنہ ۷۷۱ھ سنہ ۸۰۰ھ) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت سے اردو کی بنیاد قایم ہوئی [2]

مشہور مستشرق کولبروک کی رائے میں پندرہویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اس نے ترقی پاکر ایک جدید زبان کی صورت اختیار کرلی [3]

ڈاکٹر ونٹیرنز کا (جسنے جرمن میں ادبیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے) بیان ہے کہ بارہویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر کے باعث سولہویں صدی (گیارہویں صدی) تک ایک نئی زبان پیدا ہوگئی۔ [4]

(1) BEAMES – A COMPARATIVE GRAMMAR OF THE MODERN ARYAN LANGUAGES OF INDIA PP. 15

(2) Dr GILCHRIST HINDOSTANI PHILOLOGY

(3) COLEBROOKE – ASIATIC RESEARCHES. VOL. VII. P.P 220

(4) Dr WINTERNITZ

آلِ سبکتگین کے زمانہ میں اردو کی ابتدا ہوئی

اوپر جو اقتباسات درج ہوئے ہیں ان سے صحیح نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے کیونکہ ان مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اُردو کی اس سرگزشت کو بالکل نظر انداز کردیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اسکی وجہ سے ان کی تصریحات نہایت ناقص اور متضاد ہوگئی ہیں۔

تاریخ زبانِ اردو کا یہ تاریک حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اسکی بنیاد پر اُردو زبان کی عہد بعہد ترقیاں مطالعہ کیجائیں اور اسکے بعد اس کی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ آلِ سبکتگین کے زمانہ میں اُردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے۔

سلطانِ محمود کے مقبوضات وسطِ ایشیا میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ماوراء النہر۔ خوارزم۔ خراسان۔ اور فارس کا بہت بڑا حصہ اسکی سلطنت میں شامل تھا۔ لیکن مسعود بن محمود (سنہ ۴۲۱ھ تا سنہ ۴۳۲ھ) کے زمانہ میں آلِ سلجوق نے تمام ملک چھین لیا۔ اور مودود بن مسعود (سنہ ۴۳۲ھ تا سنہ ۴۴۱ھ) تک جب برسرِ حکومت ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آلِ سبکتگین کے قبضہ میں باقی رہگئے تھے۔ مسعود کے اعیان و امراء اور دیگر متوسلین جو وسطِ ایشیا میں رہتے تھے آلِ سلجوق کی تاخت و تاز میں بے خانماں ہوگئے تو ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل سکونت اختیار کرلی[1]

اِن نوواردوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت جلد میل جول پیدا کرلیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اسمیں اسقدر کمال حاصل کیا کہ اہلِ زبان ہوگئے۔ چنانچہ

[1] روضۃ الصفا جلد چہارم صـ۱۰۰

مسعود سعد سلمان اور ابو عبد اللہ الکنکتی جو سلطان ابراہیم (۴۹۲ھ تا ۴۵۱ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر ہیں ہندی میں بھی شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دواوین بھی مرتب کئے تھے لے

سلطان محمود کے دربار میں بہت سے ہندو ملازم تھے۔ ایک ہندو کو جس کا نام ہجرائے تھا۔ سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تہا اور اسنے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے ۲ے سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا تہا اسکے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کئے تھے۔ افسر کا نام ناتھ اور سپہ سالار کا نام تلک تھا۔ ۴۲۶ھ میں جب احمد نیالتگین نے ہندوستان میں بغاوت کی تو اسکی مدافعت کے لئے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا۔ ایک لڑائی میں جب ناتھ مارا گیا تو اسکی جگہ تلک مامور ہوا اور اسنے نہایت عمدگی سے نیالتگین کی بغاوت فرو کی ۳ے

اِن واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آلِ سبکتگین کے زمانہ میں ہندوؤں کیساتھ مسلمانوں کے گہرے تعلقات قایم ہوگئے تھے۔ میل جول اور تبادلۂ خیالات کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہوگیا تہا۔ اور اسی زمانہ سے ایک جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تہی۔ اور عہد بہ عہد ترقی کرتے ہوئے ساتویں صدی تک اِسنے

لے عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ و ہفت اقلیم در تحت لاہور

۲ے طبقات اکبری صفحہ ۱۵

۳ے طبقات اکبری صفحہ ۱۲ الیٹ ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱۳۰

ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

سُلطان محمد بن تغلق (سنہ ۷۲۵ھ – ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصہ دراز سے یہاں کی بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اِسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ ہمارے پاس کوئی مستقل نمونے موجود نہیں ہیں لیکن صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اُردو کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور اُن سے اسبات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اُس میں عہد بہ عہد کسقدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

۵

شیخ فرید الدین گنج شکر ساتویں صدی کے مشاہیر مشائخین سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے ۶۶۸ھ میں آپنے انتقال فرمایا[1]۔ آپکے خلیفہ خواجہ بدر الدین الحق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے ایک دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے[2]۔ ایک مرتبہ آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کسی نے دریافت کیا کہ جسم میں عقل کا کونسا مقام ہے اسکے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا "بیچ سر کے" اور یہ آیہ کریمہ پڑھی[3] وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون۔

شیخ سراج الدین عثمان جو اخی سراج کے لقب سے مشہور ہیں سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے ۷۵۸ھ میں آپکا انتقال ہوا[4]۔ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جو ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی تھی آپ بنگالہ سے دہلی میں تشریف لائے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے بنگالہ جانے کی ترغیب دی لیکن اخی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے سے شیخ علاء الدین الحق موجود ہیں اور خلایق کا رجحان انکی جانب ہے میرے وہاں جانے سے کیا

---

[1] آئین اکبری جلد سوم صـ ۲۷۹ شہزادہ داراشکوہ نے ۶۶۴ھ کہا ہے (سفینۃ الاولیا صـ ۹۶)

[2] اسرار الاولیا صـ ۳

[3] ملفوظات صـ ۴

[4] [illegible] آئین اکبری جلد سوم صـ ۲۸۰

نتیجہ ہے اسپر خواجہ صاحب نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا کہ "تم اوپرو ستے تلے"
شیخ اخی سراج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور فوراً بنگالہ کی جانب
روانہ ہوئے [1]

۵ حضرت خواجہ بندہ نواز

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز دکن کے مشہور بزرگ ہیں ۸۲۵ھ
میں آپ کا انتقال ہوا ہے [2] ۔ آپکے ایک مرید عبداللہ بن عبدالرحمن
چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوف میں لکھی ہے اور اسمیں
اپنے مرشد کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔
"بھوکوں موسوں خدا کچھ اپڑتیا ہے۔ خدا کوں اپڑنے کی استعداد ہو رہے"

۶ حضرت قطب عالم گجراتی

سید برہان عبداللہ بن محمود قطب الاقطاب سید جلال الدین حسینی
کے پوتے تھے ۸۰۳ھ میں گجرات اکر پٹن میں سکونت پذیر ہوئے
سلطان احمد (۸۱۴ھ تا ۸۴۶ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو پٹن
سے احمد آباد میں تشریف لائے ۔ آپ کے فرزند کا نام سراج الدین سید محمد
بن عبداللہ تھا۔ اہل گجرات آپ کو قطب عالم اور فرزند کو شاہِ عالم
کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت اور بلند پایہ بزرگ تھے ۸۵۷ھ میں
قطب عالم نے اور ۸۸۰ھ میں شاہ عالم نے انتقال فرمایا ہے [3]
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قطب عالم نماز تہجد کے لئے اُٹھے اور صحن میں آئے تو
تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی اسوقت آپنے فرمایا "کیا ہے لوہی یا لکڑی، یا پتھر"

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۳۹۹
[2] آئین اکبری جلد سوم ص۲۸۵
[3] اخبار الاخیار ص۱۵۶

شاہ بارک اللہؒ چشتی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز خواب میں شیخ سراج الدینؒ کو بشارت دی کہ تمہارا لقب شاہ عالم ہوگا اور تمہیں اس لقب سے شاہ بارک اللہؒ نامزد کریں گے۔ شیخ سراج الدینؒ جب شاہ بارک اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی شاہ عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور اُس روز سے شاہِ عالم آپ کا خطاب مشہور ہوگیا شاہ عالم نے اس واقعہ کو جب اپنے والد قطب عالمؒ سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "چشتیوں نے پکائی اور اُسے بخاریوں نے کھائی"[1]

شیخ وجیہہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخین عظام سے ہیں ۹۱۱ھ میں چاپانیر میں پیدا ہوئے ملا عماد الدین طارمی کے شاگرد اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ تھے۔ ۱۹ ماہ صفر ۹۹۸ھ کو آپ نے انتقال فرمایا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ بیان و معانی وغیرہ میں جسقدر مشہور و متداول کتابیں ہیں اُن سب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی اور بہی بہت تصنیفات ہیں۔ منجملہ انکے اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھے ہیں[2] آپکے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے آپکے ہندی ملفوظات جمع کئے ہیں اور اسکے چند مقامات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) کسی گفت کہ میاں شیخ افضل اللہ ترک درس کردند۔

---

[1] تحفۃ الکرام ص ۴۷ و ص ۴۸

[2] منتخب التواریخ کم ص ۴۲ سبحۃ المرجان ص — اخبار الاخیار ص ۱۵۷ میں آپ کا ۹۹۸ھ وفات لکھا ہے

فرمودند "جب ترقی پکڑیں گے۔ تب آپس درمیں ہیں گے"

(۲) عزیزے التماس کرد کہ اگر اجازت شود اربعین نشینم :-

فرمودند "اس سیں ہور کیا خوب ہے۔ اس دنیا میں کہ دل خدا سوں مشغول ہووے"

(۳) شخصے عرض کرد کہ عارف کرا گویند۔

فرمودند "عارف اُسے کہویں جو خدا سوں بھریا ہووے"

(۴) آپ کا ایک مقولہ ہے۔

اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے۔ جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو تنبیہ (اُسی وقت ۱۲) پاوے۔ دوجے (دوسرے ۱۲) بار بھی پاوے۔ تیجے (تیسرے ۱۲) بار بھی پاوے۔

سید شاہ ہاشم علوی۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے اور شیخ برہان الدین کے فرزند تھے۔ ابراہیم عادلشاہ جگت گرو (۹۸۸ھ تا ۱۰۳۵ھ) کے زمانہ میں بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادلشاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۶۷ھ) کے زمانہ میں ۹ رمضان ۱۰۵۹ھ کو انتقال فرمایا۔ شاہ مراد بن شاہ جلال نے جو آپکے مرید خاص تھے آپکے اذکار و اشغال اور ہندی ابیات و اقوال جمع کیے اور اسکا نام مقصود العاشقین رکھا۔ کتاب سے شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ [illegible]

(۱) ہاشم جی کی سنئے بات   جنے رکھی باسی بھات

اوسے کا جاوے ہاتے ہات

(۲) باپ کے اتنا دیوے سو پوت   باپ نیں دیوے سو سپوت
باپ کا دیا چھینے سو کپوت

(۳) دنیا چھوڑے شیخ کہائے   یہ حجاب تجھ بھولے نائے
دینی شیخی سوں یک میدان   پہلے جھوٹے دوجے شیطان
پہلے ۱۲ دوسرے

شاہ نظام الدین، شاہ ہاشم کے ایک مرید خاص تھے۔ صاحب مقصود العاشقین نے انکا بھی ایک دوہرہ نقل کیا ہے۔

نظام بندگی کرے تو کیا ہوئے۔ اول جیکا نیں دل صفا
جامہ سونڈے میں ڈب رہا۔ اوسے خوشبو لگائے تو کیا نفا

اوپر جو کچھ مذکور ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے

اب ہم ذیل میں چند نمونے ہندوؤں کی زبان کے درج کرتے ہیں

ہندوؤں کی زبان کا سب سے قدیم نمونہ راج راسا ہے جسے ایک مشہور شاعر کوی چند نے سلطان محمد بن سام (۵۶۹ سنہ ۶۰۲) کے زمانہ میں لکھا ہے۔ کوی چند اجمیر کے راجہ پرتھی راج کا وزیر تھا اور اسی کیساتھ ۵۸۸ سنہ میں مارا گیا۔ اس کتاب میں اسنے پرتھی راج کے واقعات بیان کئے ہیں یہ کتاب خالص برج بھاشا میں لکھی گئی ہے۔ لیکن عربی فارسی الفاظ بھی آگئے ہیں اور بہت سے جملے ایسے موجود ہیں جن سے اثبات کا پتہ چلتا ہے کہ برج بھاشا اس زمانہ میں متغیر ہو گئی تھی اور اس سے ایک جدید زبان نکل چکی تھی اور اسے روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔

راج راسا ایک مستقل کتاب ہے اُس سے صرف تین دوہے بطور نمونہ ہم ذیل میں

نقل کرتے ہیں۔

سینک بان پرتھوی راج کی بانس گج چاری
لگت چوٹ چوہان کی ادرت تیلس من گاری
بارہ بانس بنیس گج اونگل چار پر مان
اُتنے گھر بادشاہ ہے متی چوکی چوہان
پیر نہ جنتے جمنے ہیں پھر نہ کھینچے کمان
سات بار تم جو کیو اب نہ چوک چوہان

کبیر داس، بنارس کے رہنے والے اور گرو راما نند کے چیلے ہیں ہندوؤں کے ایک مشہور موحد گزرے ہیں سلطان سکندر لودہی (۸۹۴ھ-۹۲۳ھ) کے زمانہ میں پیدا ہوئے بابر اور ہمایوں کے معاصر تھے جلوس اکبر کے پچیسویں سال ۹۸۵ھ میں فوت ہوئے ذوالفقار اردستانی نے دبستان میں انکے حالات لکھے ہیں[1]۔

کبیر کے دوہے بھی برج بھاشا میں ہیں۔ لیکن اس زبان میں نہیں ہیں جو تحریر کے لیے مخصوص تھی بلکہ انکی زبان وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال میں ہندو استعمال کرتے تھے۔ اسمیں اور مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اسکے برخلاف ہندوؤں کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

ایسا کوئی نہ ملا جا سوں رہیئے لاگ   سب جگ جلتا دیکھا اپنی اپنی آگ
سکھ میں سمرن نا کیا۔ دکھ میں کیا یاد   کہیں کبیرا داس کی کون سنے فریاد

نینوں کی کر کوٹھری پتلی پلنگ بچھائے   پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو لیا رجھائے

غوطہ مارا سندھ میں موتی لائے پیٹھ   وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

داخل ہوکر ۱۲

سیج بچھا و سندری انتر پردا ہوئے   تن سونپے من دے نہیں خصم خوشی کیوں ہوئے

کبیرا ہالو ایک ہے گھڑنے کا ہے پھیر   لوہے سے بکتر بنے لوہے سے شمشیر

کبیر شہر پر سہرا ہے کیوں سوئے سکھ چین   کوچ نقارا سانس کا باجت ہی دن رین

کبیر سے پہلے اور اُن کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں مثلاً سورداس (۹۹۰ھ) تلسی داس (۱۰۲۳ھ) وغیرہ لیکن انکی اور کبیر کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اسلئے ہمنے قلم انداز کردیا ہے۔

اوپر کے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نویں صدی تک اُردو زبان، ہندوستان میں رائج ہوگئی تھی۔ اور بالخصوص دوآب، دکن اور گجرات میں جسے تاریخ کی رو سے ہندوستانِ اسلامی کہنا چاہیئے۔ عام طور پر بولی جاتی تھی۔ اس زبان میں نہ صرف عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور شائخین کے وعظ وتذکیر بھی اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان کے بہت سے علمائے معظمہ

اور مدینہ منورہ میں جاکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ علاوہ انکے ہر سال سینکڑوں
مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے اور کئی کئی سال وہاں
رہکر واپس آتے تھے۔ انکی رہایش کیلئے ان مقامات میں بڑے بڑے رباطات
بنے ہوئے تھے اور انکے اخراجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لکھو کہا روپیہ
بھیجا کرتی تھیں۔ ان رباطات کے انتظامات عربوں کے ہاتھ میں تھے اور انہیں
ہروقت ہندوستانیوں سے سابقہ رہتا تہا۔ اسلئے انہوں نے اردو بولنا سیکھہ لیا
تہا۔ ان کے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجار بھی ہندوستانیوں کے میل جول کے باعث
اُردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہوگئے [1]

شیخ عبدالوہاب متقی، ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں۔ مالوہ
آپ کا وطن تھا گجرات، دکن، سرندیپ، کی سیاحت کرتے ہوئے ۹۶۳ھ
میں مکہ معظمہ پہونچے مولانا علی متقی جو برہانپور کے باشندے اور علوم عربیہ
کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں جاکر
سکونت پذیر ہوگئے تھے شیخ عبدالوہاب مولانا کے مریدوں میں شامل ہوگئے
اور بارہ سال خدمت میں حاضر رہکر تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں کمال
حاصل کیا ۹۷۵ھ میں جب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ
عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ و جانشین قرار دیا۔ اسکے بعد شیخ عبدالوہاب چھتیس سال
مکہ معظمہ میں زندہ رہے۔ اور مولانا کی طرح حدیث و فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا درس
جاری رکہا ۱۰۰۱ھ میں مقام مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے

---

[1] یہ واقعات آثار المدینہ۔ زاد المتقین۔ جذب القلوب۔ اور اخبار الملکہ کے مقامات سے اخذ

شیخ کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ آپ حرم شریف میں تشریف رکھتے اور درس کے لئے طلبہ جمع ہوتے ۔ اسکے بعد عربوں کو عربی میں عجمیوں کو فارسی میں ۔ ہندیوں کو اُردو میں درس دیا کرتے ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو مولانا علی متقی کے صحبت یافتہ اور شیخ عبدالوہاب متقی کے خلیفہ و جانشین ہیں ان دونوں بزرگوں کے حالات میں ایک کتاب ۱۰۰۰ھ میں لکھی ہے اور اسکا نام زاد المتقین الی طریق سلوک الیقین رکھا ہے ۔ اسمیں شیخ عبدالوہاب کا طریقہ درس اسطرح مذکور ہے

”طریقۂ ایشاں در تعلیم و تدریس علم آنست کہ اگر کسے از علوم دینیہ چیزے طلب کند اورا درس بگویند ۔ ہر علمی کہ باشد ۔ اما اگر از تفسیر و حدیث و تصوف بخواند خوش حال تر و راضی تر باشند و بعد از مقید شدن بدرس در تحقیق و تشخص مساہلہ نہ کنند ۔ مہما امکن در تفتیش و تنقیح حواشی و شروح کد نمایند و ہمت تمام مصروف بایں جانب سازند و سخن را مجمل نگزارند ۔ چنانکہ طالب علم را تشفی تمام حاصل آید بے آنکہ تعلق و تشدق لسانی درمیان باشد و باہر کس بزبان او سخن نکنند و با ہندیاں در تقریر فارسی تکلف نکنند و ہم بہ زبانِ ہندی اکتفا فرمایند ۔ اگر حین درس شیخ کسے عجمی یا عربی حاضر شود بجہت وے تقریر را تغیر دہند و بقدر استماع وے سخن غریب را از جنس حقائق و دقائق اعادہ و تکرار نکنند ۔ مگر آنکہ چیزے بپرسد و در استفادہ مشارکت نماید و ہماں مقدار ہر اندازہ سوال بزبان وے سخن کنند و جواب گویند و سالہا در حرم شریف ایں علوم را درس گفتہ اند“

امیر خسرو اور اردو زبان

ساتویں صدی کی اُردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسرو رح کی نظمیات ہیں اون سے نہ صرف اُس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر مانوس نہیں تھی

حضرت امیر خسرو رح ۶۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ذیقعدہ ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ تا ۶۸۶ھ) کے عہد سے سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ان میں سے سات بادشاہوں کی ملازمت کی دہلی میں رہا کرتے تھے لیکن ملازمت کی تقریب سے ملتان اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ میں (جو ۱۰۲۴ھ میں تمام ہوا ہے) لکھا ہے کہ حضرت امیر خسرو رح کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن اوحدی کا یہ بیان اسوقت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ زمانہ کے ناقدر ہاتھوں نے اس تمام ذخیرے کو تباہ و برباد کر دیا تھوڑا سا حصہ جو زمانہ کی دستبرد سے بچ گیا ہے وہ بھی اب تک پردۂ خفا میں مستور ہے۔

شاہان اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپخانہ میں تھے حضرت امیر خسرو رح کے دو سو چیستان موجود تھے اور انکے علاوہ ایک مجموعہ میں انکا متفرق کلام جمع تھا جسمیں فارسی آمیز غزلیں اور کہ مکرنیاں وغیرہ تھیں ان

دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور انکے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شایع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام نہایت کمیاب ہے۔ اس وقت تک دو غزلیں اور دو متفرق شعر دستیاب ہوئے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں

بحق روزِ وصالِ دلبر کہ داد مارا فریب خسروؔ
سپیت من کے ورائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کے کھتیاں

خوار شدم زار شدم لٹ گیا　　در غمِ ہجر تو کمر ٹوٹا ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من　　بے گنہ ہم سا تو عجب روٹھا ہے
روئے تو رونق شکنِ آفتاب　　سرو بہ پیشِ قدِ تو بوٹا ہے

زرگر سے چو ماہ یارا — گھڑ لے سنوار لے پکارا
نقد دلِ من گرفت و شکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

حضرت امیر خسرو کے حسب ذیل چیستاں ڈاکٹر اسپرنگر کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

پہیلیاں امیر خسرو

حمد الٰہی

سب کوئی اُس کو جانے ہے — پر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دھڑی میں لیکھا ہے — فکر کیا اُن دیکھا ہے

خربزہ

دس ناری کا ایک ہی نر — بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم — منہ میٹھا تاثیر گرم

چراغ

بالا تھا جب سب کو بھایا — بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اسکا ناؤں — بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں

قینچی

اندر چلمن باہر چلمن بیچ کلیجہ دھڑکے — امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے

کاجل

جل کر بنے جل میں رہے — آنکھوں دیکھا خسرو کہے

بئے کا گھونسلا

ایک انوکھا گرہ بنایا — اوپر نیو نیچے گھر چھایا

بانس نہ بلی۔ بندھن گھنے   کہو خسرو گھر کیسے بنے

خالق باری

حضرت امیر خسروؒ کے زمانہ میں ایران و توران کی حالت نہایت پرآشوب تھی اور چنگیزیوں کے جدال و قتال سے پریشان ہوکر ہزارہا مسلمان ترکِ وطن کرکے ہندوستان میں آرہے تھے۔ یہ نووارد یہاں کی زبان سے ناواقف تھے اسلئے انہیں ہر معاملے میں دشواری پیش آتی تھی اور اہل ہند بھی اُن کا مطلب سمجھنے سے عاجز اور پریشان رہتے تھے اس دشواری کو رفع کرنے کے لئے حضرت امیر خسروؒ نے ایک کتاب لکھی اور اسمیں اُن تمام لغات اور الفاظ کو جمع کیا جو اہل ولایت اور اہل ہند کی زبانوں میں روزمرہ استعمال ہوتے تھے۔ اور اُنہیں کئی ہزار اشعار میں منظوم کیا۔ لیکن یہ کتاب بھی دستبردِ زمانہ کے نذر ہوگئی اور اسکے کم و بیش دو سو ابیات بچ رہے ہیں جو خالق باری کے نام سے مشہور ہیں۔ ان دو سو ابیات میں تخمیناً تین سو الفاظ ہندی کے جمع ہیں اور انہیں سے دس بیس خارج کر دیئے جائیں تو باقی الفاظ ایسے رہ جاتے ہیں جو اسوقت بھی زبانِ اردو میں استعمال ہو رہے ہیں۔

خالق باری چونکہ چھپ گئی ہے اور عام طور پر ملتی ہے۔ اسلئے ہم نے اس کے نمونے کو قلم انداز کر دیا ہے۔

نویں اور دسویں صدی میں شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کی تین مشہور و مستند لغات لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے قدیم اداة الفضلا ہے۔ اسکو قاضی خان ملا بدر محمد دہلوی نے امیر تیمور

کی یورش کے بیس سال بعد ۸۲۲ھ میں مرتب کیا ہے۔ اسکے بیس سال بعد قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے اپنے مرشد شیخ شرف الدین احمد ابن یحیی منیری کے نام پر اسکا نام شرف نامہ رکھا یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باربک شاہ بن ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ختم ہوئی ہے باربک شاہ ۸۶۲ھ سے ۸۷۹ھ تک بنگالہ میں حکمران رہا ہے۔ اسکے بعد شیخ لاد دہلوی المتوفی ۹۲۵ھ نے سلطان ابراہیم لودہی کے زمانہ میں موید الفضلاء کو مرتب کیا۔ یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونو لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے انکے ہندی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور موید الفضلا نے اسکا التزام خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم و بیش (۱۰۷) ہیں جنکے معنی اردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں اس کتاب میں جو اردو الفاظ آگئے ہیں انکی تعداد کم و بیش (۸۰۰) ہے یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اسوقت بھی ہماری زبان میں موجود اور عام طور پر بولے جاتے ہیں۔

(۱) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۹۸

سلطنت بہمنیہ

۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ

۱	علاء الدین بہمن شاہ	۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
۲	محمد شاہ بن بہمن شاہ	۷۵۹ھ تا ۷۷۶ھ
۳	علاء الدین مجاہد شاہ	۷۷۶ھ تا ۷۸۰ھ
۴	داؤد شاہ	۷۸۰ھ
۵	محمد شاہ ثانی [1]	۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ
۶	غیاث الدین	۷۹۹ھ
۷	شمس الدین داؤد شاہ ثانی [2]	۷۹۹ھ تا ۸۰۰ھ
۸	تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ
۹	شہاب الدین احمد شاہ اول	۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ
۱۰	علاء الدین احمد شاہ ثانی	۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ

[1] فرشتہ نے اس کا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سکہ جات میں محمد شاہ مسکوک ہے تھامس کرانیکل ص ۳۴۵

[2] سکوں پر اس کا لقب داؤد شاہ تحریر ہے۔ نیومسماٹک سلپمنٹ نمبر (۱۱) آرٹیکل ۶۲ نمبر ۶ رسالہ
[illegible] آف بنگال

۱۱ - علاء الدین ہمایوں شاہ	سنہ ۸۶۲ھ تا سنہ ۸۶۵ھ
۱۲ - احمد شاہ ثالث [1] (نظام شاہ)	سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ
۱۳ - شمس الدین محمد شاہ ثالث	سنہ ۸۶۷ھ تا سنہ ۸۸۷ھ
۱۴ - محمود شاہ	سنہ ۸۸۷ھ تا سنہ ۹۲۴ھ
۱۵ - احمد شاہ رابع	سنہ ۹۲۴ھ تا سنہ ۹۲۷ھ
۱۶ - علاء الدین	سنہ ۹۲۷ھ تا سنہ ۹۲۹ھ
۱۷ - ولی اللہ	سنہ ۹۲۹ھ تا سنہ ۹۳۲ھ
۱۸ - کلیم اللہ	سنہ ۹۳۲ھ

سلطنت بہمنیہ کا بانی
ظفر خاں علاء الدین حسن

ملک ہزبر الدین ظفر خاں۔ سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا۔ سنہ ۶۹۷ھ میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اُن کی مدافعت کرتا ہوا عین معرکہ میں شہید ہوا [2]۔ اس کے دو بھانجے تھے علیشاہ اور حسن بہمنی [3] یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق [4] کے اُمرائے صدہ میں شامل تھے۔ اور انہیں سلطان نے اپنے اُستاد قتلغ خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا۔ سنہ ۷۲۶ھ میں علی شاہ محصول سلطانی وصول کرنے کے لئے گلبرگہ میں آیا

[1] مورخین نے اسکا نام نظام شاہ اور اس کا زمانہ حکومت سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ بتایا ہے۔ لیکن جو سکے سنہ ۸۶۵ھ سے سنہ ۸۶۶ھ تک مضروب ہوئے ہیں۔ ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ مسکوک ہے۔ (نیومسماٹک کرانیکل سنہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۶۹)
[2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۵۴ - تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۰۲
[3] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۷۳

اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کردی قتلغ خاں نے اسپر چڑھائی کی۔ بیدر میں لڑائی ہوئی۔ قتلغ خاں نے اُسے قید کرکے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ بادشاہ نے اسکا قصور معاف کرکے غزنین کی طرف جلاوطن کردیا۔[1]

دکن میں خاندان بہمنی کی سلطنت کا قیام ۷۴۸ھ

علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امرائے دکن نے باہم اتفاق کرکے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کردی۔ گروہ کثیر نے اسمٰعیل مغ کو جو دو ہزاری امیر تھا سلطان ناصرالدین کا خطاب دیکر بادشاہ بنالیا۔ دوسرے امرا بھی ملک کے مختلف حصوں میں خودسر ہوگئے حسن بہمنی نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کرکے ہیکری۔ رائے باغ۔ مرچ۔ کلہر۔ گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ دو سال تک بازار کارزار گرم رہا۔ آخر ۷۴۸ھ میں باغیوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ لشکر سلطانی ہزیمت اٹھاکر فرار ہوگیا۔ اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور چودہ روز تک عیش و عشرت کے جشن مناتے رہے۔ اسی اثنا میں امیر ناصرالدین اسمٰعیل نے بادشاہت

سلطان حسن بہمنی کی تخت نشینی

کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرا نے اتفاق کرکے ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں (علاءالدین) جس کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اسکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد سلطان علاءالدین بہمن شاہ اپنا لقب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۴۹۱ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۱۸۵ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۳۹۔

اختیار کیا۔ اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کرکے اُسے اپنا دارالحکومت بنایا اسکی حکومت برار سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی لیکن مابعد میں اسکے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی علاءالدین احمد شاہ نے کوکن کو فتح کیا۔ شاہان گجرات و خاندیس کو شکست دی محمد شاہ کے زمانہ میں اوریسہ اور کانچی ورم مسخر ہوئے۔ بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی ان فتوحات سے بہمنیوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہو کر دوسرے سمندر تک وسیع ہو گئی۔ بیجانگر کے راجہ بہمنیوں کے مدمقابل تھے۔ دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ اور بہمنیوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے

سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدردان تھے

محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا میر فیض اللہ انجو جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے اسکے دربار میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن میں بلوایا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب بحری سفر سے خائف ہو کر آنے سے انکار کر دیا بادشاہ نے ازراہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی انکے یہاں روانہ کئے۔

فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا۔ تفسیر، اصول اور حکمت طبعی و نظری میں ید طولیٰ رکھتا تھا عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا علم ہیئت سے اسے بڑی دلچسپی تھی سنہ ۸۱۰ھ میں بمقام دولت آباد ایک رصدگاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات فلکی کے لیے [illegible] کئے تھے

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز اسی زمانے میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔

احمد شاہ بہمنی ۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ کے دربار میں بڑے بڑے علماء جمع تھے مثلاً ملا عبدالغنی مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ آذری مرزا شاہ رخ کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدت تک احمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمائش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کیئے اور بہمن نامہ اسکا نام رکھا احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط ہو گئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار تنکہ طلائی زادِ راہ کے لئے عطا کیئے۔ بہمن نامہ ادھورا رہگیا تھا ملا نظیری سامعی وغیرہ نے اُسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات بڑھا کر کتاب کو ختم کر دیا۔

محمود گاواں محمد شاہ ثالث ۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ کا وزیر تھا ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا۔ علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ سید العلماء سلامت اللہ اوحدی۔ شمس الدین سامی عبدالکریم ہمدانی ملا نظیری اسکے ندیمان دربار سے تھے۔ مشہور شاعر ملا عبدالرحمن جامی کو اسنے بعد میں بلوایا تھا۔ لیکن انہوں نے آنے سے معذرت کی اور ایک مطول قصیدہ اسکی مدح میں لکھکر بھیجدیا۔ جسکا ایک شعر یہ ہے

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا　　الصلا کز جان و دل نزل تو کردم الصلا

سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑہ سو سال نہایت کامیابی کے ساتھ برسرِ حکومت رہے۔ اسکے ساتھ انحطاط شروع ہوا۔ محمود شاہ کے زمانے سے

صوبہ داروں نے خود سری شروع کردی ۹۳۲ھ میں بہمنیوں کے نام کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اس ایک سلطنت کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قایم ہوگئیں برار میں عمادشاہی احمدنگر میں نظام شاہی بیدر میں بریدشاہی بیجاپور میں عادلشاہی گولکنڈہ میں قطب شاہی۔

سلطنت بہمنیہ کے مختلف باشندے اور انکی زبانیں

سلطنت بہمنیہ میں جو مسلمان آباد تھے مورخ فرشتہ نے انکے تین گروہ بیان کئے ہیں۔

(۱) دکنی۔ اِن سے وہ لوگ مراد ہیں جو سلطان علاءالدین خلجی کے زمانہ میں یا اسکے بعد عساکر اسلامی کیساتھ ہندوستان آکر دکن میں آباد ہوئے اور یہاں انکی دو تین پشتیں گزر گئیں۔ یہ لوگ دکنی اُردو بولتے تھے۔

(۲) غریب (پردیسی) یعنے وہ لوگ جو ترکستان و ایران سے وقتاً فوقتاً آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے یہ لوگ زیادہ تر ترک افغان اور ایرانی تھے انکی زبان بالعموم فارسی تھی۔

(۳) حبشی یہ لوگ حبش یعنے ابی سینیا کے باشندے تھے اور یمن کے راستے سے دکن میں آئے تھے اور انکی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہوگئی تھی۔ یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے۔

ملک کے اصلی باشندے انکے علاوہ تھے سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے۔ جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں دولت آباد گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹ میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی۔ یہ زبان

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے خالص آرین زبان نہ تھی بلکہ آرین اور پاپرہھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

عربیوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں انکی زبان کو بھی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا۔ دکنیوں کی زبان اُردو سے کوئی جداگانہ زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے مسلمان علاء الدین خلجی کے زمانے میں اور اس کے بعد ہندوستان سے آتے ہوئے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن امتدادِ زمانہ کے باعث آب و ہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط و ضبط نے اسمیں بتدریج فرق پیدا کر دیا اور یہ فرق سو سال کے اندر اندر اسقدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے باسانی ممیز ہو گئیں۔ اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہو گئیں۔ ہندوستان کی زبان اُردو اور دکن کی زبان دکھنی کہلانے لگی۔

[illegible]

عہدِ بہمنیہ کے دکھنی مصنف

اُردو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی برخلاف اسکے دکھنی زبان نے دکن میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کر لی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا۔ اسوقت تک دکھنی زبان کی جسقدر تصنیفات معرضِ تحقیق میں آئی ہیں۔ ان میں شیخ عین الدین گنج العلم کے رسالے سب سے قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

[illegible]

شیخ عین الدین گنج العلم۔ دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں آپ ۷۰۶ھ میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وطن سے نکل کر گجرات وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد میں آئے۔ اس وقت یہ شہر سلطان محمد بن تغلق ۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ کا دار السلطنت تھا اور یہاں بڑے بڑے اکابر و شیوخ جمع ہو گئے تھے۔ مثلاً سید خوند میر علاء الدین حسینی جیوری جو دہلی کے اکابر اولیاء سے تھے۔ شیخ شمس الدین لامغانی جنہوں نے شیخ بہاء الدین زکریا سے فیض حاصل کیا تھا۔ شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری وغیرہ۔ شیخ عین الدین سید خوند میر کے مرید ہوئے۔ شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ شیخ منہاج الدین سے فیض روحانی حاصل کیا۔ اسکے بعد ۷۳۲ھ میں عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدت دراز مقیم رہنے کے بعد ۷۴۳ھ میں بیجاپور میں آئے دکن میں سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ (۷۴۸ھ - ۷۵۹ھ) اور اس کے چار جانشینوں کا زمانہ دیکھا اور نواسی سال کی عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی ۷۸۰ھ - ۷۹۹ھ کے عہد میں ۲۷ جمادی الاول ۷۹۵ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ نے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکروں میں انکی تعداد (۱۳۲) ایک سو بتیس تحریر ہے [1]

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک مشہور تاریخ ہے۔ اسمیں سلطان ناصر الدین محمود ۶۴۴ھ - ۶۶۴ھ تک سلاطین ہندوستان کے حالات تحریر ہیں۔

شیخ عین الدین نے اسکا تکملہ لکھا ہے اور اسمیں اپنے زمانہ تک حالات قلمبند کئے ہیں۔ مورخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا۔ اپنی تاریخ میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اسکا نام ملحقات طبقات ناصری لکھا ہے[1]

اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے۔ اسمیں آپنے اکابر اولیا کے حالات و مقالات تحریر کئے ہیں۔

آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کئے تھے منجملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سینٹ جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے انکے اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض و سنن کے متعلق مختلف احکام و مسائل تحریر تھے۔[2]

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے اعاظم خلفاء سے تھے۔ آپ ۸۱۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۶ ذی القعدہ کو انتقال فرمایا۔ علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپنے ملتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اسمیں بیان کئے ہیں علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ شیخ محمد بن اسحاق الکلاباذی المتوفی ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کی کتاب العوارف۔ شیخ

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲

[2]

عبدالکریم القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا رسالہ، شیخ محی الدین ابن العربی المتوفی ۶۳۸ھ کی کتاب الفصوص تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہیں۔ خواجہ صاحب نے انپر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں۔ انکے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسمار ایک نہایت مشہور کتاب ہے اس میں تصوف کے اسرار و حقائق تحریر ہیں۔

خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو علم تصوف و حدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے گاہے گاہے درس کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے انکے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے اور ایسے مریدوں کی فرمائش پر آپنے چھوٹے چھوٹے متعدد رسالے دکنی میں تصنیف فرمائے تھے منجملہ ان کے معراج العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں۔ اور عشق نامہ میں ان کا کئی جگہہ تذکرہ آیا ہے۔

خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقولے ارشاد فرمائے تھے آپ کے ایک مرید نے ان کی ایک مبسوط شرح لکھی اور اس کا نام ہفت اسرار رکھا۔

سید محمد عبداللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز رح کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ آپ نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے رسالہ نشاط العشق کا دکنی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور اسکی شرح لکھی تھی اس کا ایک نفیس نسخہ ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں موجود تھا

گولکنڈہ

سلطنت قطب شاہیہ

سنہ ۹۱۶ھ – ۱۰۹۸ھ

(۱) سلطان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۵۰ھ
(۲) جمشید قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۰ھ	سنہ ۹۵۷ھ
(۳) سبحان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	
(۴) ابراہیم قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	سنہ ۹۸۸ھ
(۵) محمد قلی قطب شاہ	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۲۰ھ
(۶) محمد قطب شاہ	سنہ ۱۰۲۰ھ	سنہ ۱۰۳۵ھ
(۷) عبداللہ قطب شاہ	سنہ ۱۰۳۵ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
(۸) ابوالحسن تاناشاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۸ھ

آل چنگیز نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قایم کی تھی
اُسے سلطان ابوسعید سنہ ۷۱۶ھ – ۷۳۶ھ کے زمانے سے انحطاط شروع ہوا
اور سلطنت کے بڑے بڑے امراء و صوبہ داروں نے خود سر ہو کر بہت سی
چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم کرلیں فارس و کرمان پر آل مظفر
۷۱۵ سنہ ۷۹۵ھ نے قبضہ کرلیا عراق میں حسن جلائر نے خاندان ایلکانیہ

(۴۳۶ھ ۱۰۴۴ء) کا سنگ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دار الحکومت قرار دیا خراسان کے باغی جنہوں نے اپنا لقب برسر حکومت ہوکر سربدار رکھا تھا سبزوار پر قابض ہوکر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے یہ سب سلطنتیں امیر تیمور (۸۰۷ھ) کے زمانہ تک قائم تھیں۔

دریائے دان کے نیچے آرمینیہ میں ترکمانوں کی ایک صحرانشین قوم آباد تھی اسکے دو طائفے تھے اور انکے پرچموں پر سیاہ و سپید مینڈھوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اسلئے انکا نام قراقویون لی اور آق قویونلی مشہور ہوگیا تھا۔ پہلا طائفہ قراقویونلی زیادہ طاقتور اور با اثر تھا اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے رابطہ اتحاد قائم کرکے آرمینیہ اور آذربائجان میں ایک حکومت قائم کرلی جس پر اسکی اولاد ۸۷۲ھ تک حکمران رہی امیر تیمور نے یورش کرکے قرا یوسف ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء کے زمانے میں تمام ملک فتح کرلیا اور قرا یوسف فرار ہوکر مصر میں پناہ گیر ہوا اور ۸۰۷ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہوگیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس آکر اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد قزوین ہمدان اور اصفہان فتح کئے ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کو مارکر بغداد پر قابض ہوگیا۔

قرا یوسف نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا اور اسکے بعد اسکا لڑکا مرزا اسکندر برسر حکومت ہوا اسنے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی ۸۴۱ھ میں اسکے بیٹے مرزا قباد نے اُسے مار ڈالا مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے مرزا الوند یار علی قاسم بیگ حسن بیگ مرزا قباد۔ باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی

بلکہ ان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ برسرحکومت ہوا۔ جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا۔ شاہ رخ جب تک زندہ رہا جہاں شاہ اسکا مطیع و فرمانبردار رہا ۸۵۰ھ میں جب اسکا انتقال ہو گیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کر لی اور شاہ رخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع کیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان پر قبضہ کر لیا ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کر لیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے عوض ہمدان کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع کیا اور دیار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کر لی اس قوم کے ایک سردار حسن بیگ نے ۸۷۱ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اسکی حکومت کو روز افزوں وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اسکے استیصال کا ارادہ کیا لیکن حسن بیگ نے ۸۷۲ھ میں جہاں شاہ کو مار ڈالا اور قراقویونلیوں کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اسکا لڑکا اویس قلی برسرحکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچہ قراقویونلی شہزادوں کا استیصال کیا

لیکن پیر قلی اور اسکی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ لوگ بلا خرخشہ ہمدان میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۴ھ میں سلطان یعقوب بیگ برسر حکومت ہوا تو قراقویونلی شہزادوں کی تفتیش شروع کی اور انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کیا اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیجدیا۔ اللہ قلی اپنے بھتیجے سلطان قلی کو لیکر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کے راستے سے دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر پہنچا محمود شاہ بہمنی اللہ قلی کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن محمود شاہ بہمنی نے سلطان قلی کو واپس جانے نہ دیا۔ اور اُسے شاہی چیلوں میں شامل کرکے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی لکھا پڑھا اور نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ بادشاہ کو جب اسکی لیاقت کا حال معلوم ہوا تو قطب الملک کا خطاب دیکر تلنگانہ کا صوبہ دار بنا دیا۔ سلطان قلی سولہ سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا ۹۱۶ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال ہوگیا اور سلطنت بہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر دوسرے صوبہ داروں نے خودسری اختیار کرلی تو سلطان قلی نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا اور قطب شاہ کا لقب اختیار کرکے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت بنایا۔ سلطان قلی کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کم وبیش دوسو سال حکومت قائم رہی ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر

سلطان قلی بانی سلطنت قطب شاہیہ ہمدان سے دکن میں آتا

سلطنت قطب شاہیہ کا قیام

نے گولکنڈہ کو فتح کرلیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

سلطان قلی قطب شاہ کے لڑکے جمشید قلی قطب شاہ (سنہ ۹۵۰ھ - سنہ ۹۵۷ھ) کو شعر و سخن سے غایت دلچسپی تہی ملا محمد شریف وقوعی اسکے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ جمشید کا جانشین ابراہیم قطب شاہ نہایت زبردست عالم تھا۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے خورشاہ بن قباد الحسینی جو عراق کا باشندہ تھا اسکے ندیمان خاص سے تھا۔ اسنے اپنے آقا کی فرمایش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جسمیں ابتدائے تخلیق عالم و آدم سے سنہ ۹[illegible]ھ تک حالات تحریر ہیں۔ یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے۔ پہلے[1] مقالے میں قدیم سلاطین ایران و روم و یمن کے حالات ہیں۔ دوسرے[2] مقالے میں جناب رسالتمآب اور آپکے خلفاء اور خلفاء بنو امیہ و بنو عباس کا تذکرہ ہے۔ تیسرے[3] مقالے میں ان سلاطینِ ایران کے حالات ہیں جو خلفاء عباسیہ کے معاصر تھے۔ چوتھے[4] مقالے میں مغولان ایران کی تاریخ ہے پانچویں[5] مقالے میں امیر تیمور اور اسکی اولاد کا تذکرہ ہے۔ چھٹے[6] مقالہ میں طوائف قراقویونلی و آق قویونلی اور شاہان صفویہ اور سلاطین روم کے حالات ہیں۔ ساتویں[7] مقالہ سلاطینِ ہندوستان کے متعلق ہے۔ آٹھویں[8] مقالے میں قطب شاہیوں کا تذکرہ ہے۔ مورخ فرشتہ نے اس تاریخ کا تذکرہ کیا ہے[1]۔ برٹش میوزیم میں اسکا بہترین نسخہ موجود ہے[2] موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں اسکا انتخاب شامل کیا ہے۔ اور اِس کے ساتھ مصنف کے حالات اور کتاب کی مفصل کیفیت لکھی ہے[3]۔

محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدردان تھا اسکے زمانے میں گولکنڈہ اہل علم کا مرجع ہوگیا تھا میر محمد مومن استرآبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخر الدین سماکی کے بھتیجے اور شاہ طہماسپ صفوی کے اہل دربار سے تھے اسی کے زمانے میں دکن میں آکر گولکنڈہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان محمد قلی نے انہیں وکیل السلطنۃ مقرر کردیا تھا کتاب الرجعت اور کتاب المقادیر ان کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی تھے انکا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے لہ

مرزا محمد امین شہرستان کے سادات سے تھا اسکے دربار میں میر جملہ کی خدمت پر مامور تھا۔ یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامین تخلص کرتا تھا۔ بادشاہ کی فرمایش سے اسنے خمسہ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں شیرین خسرو، لیلی مجنوں، فلک البروج مطمح الانظار یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں علاوہ انکے اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اسکا نام رکھا ہے۔ یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ سے

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اسکو سیر اور تواریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اس کے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھدیا کرتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ غزل کے سوا قصائد اور

لہ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۱۷۳ حدیقۃ العالم جلد اول ص۲۵۸

لہ ایتھے نمبر (۲۸۹۲)

سے ریو صفحہ (۶۷۶) ایتھے نمبر (۲۸۹۷)

مناقب خوب لکھا کرتا تھا۔ اسنے سلطنت قطب شاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم آرائے عباسی کی طرز پر لکھوائی ہے۔ یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مرصع و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے اسکے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمے پر منقسم ہیں مقدمے میں سلاطین قطب شاہیہ کے آبا و اجداد کا تذکرہ ہے۔ چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی جمشید قلی ابراہیم قلی اور محمد قلی کے حالات ہیں خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے[1]

عبداللہ قطب شاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح نہایت علمدوست اور ارباب کمال کا قدرداں بادشاہ ہوا ہے شمس الدین محمد جو علامہ ابن خاتون کے نام سے مشہور ہیں اسکے دربار میں سفارت و پیشوائی کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ بزرگ شیخ بہاء الدین آملی کے شاگرد اور اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے انہوں نے کتاب الارشاد اور جامع عباسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں انکے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد تھیں[2]۔ اس بادشاہ کی فرمائش سے ملا جمال الدین نے کفعمی کی کتاب المصباح کا اور ملا علی بن طیفور نے علامہ ابن بابویہ القمی کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور مولانا حسین آملی نے جو شیخ بہائی کے شاگرد تھے نہج البلاغۃ کی شرح لکھی ہے[3] فارسی کا مشہور لغت برہان قاطع بھی اسی بادشاہ کے نام پر لکھا گیا ہے[4]۔ اسی بادشاہ

---

[1] ریو جلد اول صفحہ ۳۲۲

[2] نجوم السماء صفحہ ۲۸۲

[3] محبوب الالباب صفحہ ۱۱۲

کے عہد میں گولکنڈہ میں ملا فتح اللہ سمنانی نے امام یافعی کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ کیا ہے[1] ملا نظام الدین احمد بن عبداللہ الساعد الشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جسکا نام حدیقۃ السلاطین ہے[2]۔

بادشاہ کا داماد سید نظام الدین احمد سید معصوم کا فرزند تھا سید معصوم اسقدر جلیل القدر عالم تھا کہ اُسے اہل ایران استاد البشر کہا کرتے تھے سید نظام الدین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اسکے ریاضیات کا بھی جید عالم تھا۔ اسنے مختلف علوم و فنون میں ایک سو آٹھ رسالے لکھے ہیں۔ جو شجرۂ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ایک مجموعہ سنہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

شعرائے گولکنڈہ

سلاطین قطب شاہیہ اور اُردو شاعری

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی (سنہ ۹۸۸ھ تا سنہ ۱۰۲۰ھ) اور اسکے دو جانشین سلطان محمد (سنہ ۱۰۲۰ھ تا سنہ ۱۰۳۵ھ) اور سلطان عبداللہ (سنہ ۱۰۳۵ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) زبان اُردو کے صاحب دیوان شاعر تھے سلطان محمد قلی کا دیوان ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں موجود تھا۔ اسمیں آدہے سے زیادہ اُردو کلام

[1] ایتھے نمبر ۲۴۲۰
[2] [illegible] ۳۲۲

تھا۔ بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے۔ اسے سلطان کے بھتیجے
اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا[1]۔ اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ
قطب شاہی کتب خانہ کا حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اسکے متعلق
مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے[2]۔ یہ نسخہ
بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ اسکے کم و بیش اٹھارہ سو
صفحات ہیں سنہ ۱۰۲۵ھ میں اسکی کتابت ہوئی ہے۔ یہ نسخہ بھی سلطان محمد کا مرتب
کیا ہوا ہے اور اسکے سرورق پر سلطان محمد نے اپنے دست خاص سے حسب ذیل
عبارت لکھی ہے۔

> کلیات اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی مغفرت پناہ عمی عالیحضرت
> محمد قلی قطب شاہ نور اللہ مرقدہ تمام شد در کتاب خانہ مبارکہ بخط محی الدین کاتب بتاریخ
> اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس و عشرین و الف من الہجریۃ فی دار السلطنت حیدرآباد
> حرسہا اللہ عن الافساد کتبہ العبد الخالص المولاہ سلطان محمد قطب شاہ بلغ اللہ تعالیٰ فیہا تمنا

دیوان کی ابتداء میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے اس دیباچہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکھنی اور فارسی میں پچاس ہزار
شعر کہے ہیں علاوہ اس کے تلنگی میں بھی اس کا کلام ہے۔ اس دیوان میں
پہلے مثنویاں ہیں انکے بعد قصیدے پھر ترجیع بند اور مرثئے۔ مرثیوں کے
بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں اور ان میں بالالتزام پہلے فارسی پھر دکنی کلام ہے
مولوی عبدالحق صاحب جنابی اے نے کلیات کو مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری
اور اسکے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی اسکا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

---

[1] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان ص ۱۷۹ لسان العصر سنہ ۱۹۱۰ء جلد اول نمبر (۳) ص ۱۱۸
[2] یہ مضمون رسالہ اردو جلد دوم حصہ پنجم بابت جنوری سنہ ۱۹۲۲ء (ص ۱۳ تا ص ۳۶) میں شایع ہوا ہے۔ سلطان محمد قلی

"سُلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے خاصکر شعر و شاعری کے چرچے ایران سے لیکر ہندوستان تک یکساں تھے بلکہ ہندوستان کا قدم کچھ آگے ہی تھا۔ شعر و سخن ہماری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے۔ اور ہر شخص جو شرافت کا دعوے رکھتا تھا شعر و سخن کا بھی مدعی تھا۔ ہندوستان کے بادشاہ شعر و سخن کے قدردان ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ یہ ہی حال دکن میں قطب شاہی اور عادلشاہی بادشاہوں کا تھا۔ تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام سے بھی اشعار درج ہیں لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر سب سے اول ہے۔ اس کے کلام کا مجموعہ اس قدر ضخیم ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ ور شاعر بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے"

"اگر دو ایک شاعروں کو مستثنے کر دیا جائے جنکا درجہ درحقیقت نہایت بلند ہے تو ہمارے ہاں کی عشقیہ شاعری میں کوئی بات نئی نہیں نظر آتی ہے۔ چارسو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعرا کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھ دیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر اور شستگی کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا۔ وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرز ادا اور وہی بحریں ہیں۔ اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اردو کے کسی دوسرے شاعر سے کم نہیں ہے۔ عشق و مستی اور تصوف میں اس کا کلام کسی سے پیچھے نہیں رہا ہے بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے"

سُلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک بات نئی دیکھی گئی ہے۔ جو اردو شعراء میں سوائے سودا اور نظیر کے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت حمد و نعت منقبت و مرثیے تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے مثلاً متعدد مثنویاں پھولوں میووں پر ہیں جن میں ایران اور خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان کیا ہے۔ دو مثنویاں سبزی ترکاری اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنہیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً الہی محل، جنان محل، باغ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سالگرہ کی تقریب، شب برات میلاد نبی، عید غدیر، ہولی، بسنت وغیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے"

"اگرچہ یہ مثنویاں معمولی ہیں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی ہیں لیکن ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا پورا اتباع کیا ہے اور وہ اسقدر وسیع النظر ہے کہ عشق و محبت کے تنگ کوچے سے باہر نکل کر صنعت و قدرت کی خوبیوں کی داد دیتا ہے اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی بحیثیت شاعر ہونے کے خاص امتیاز اور وقعت رکھتا ہے وہ نہ صرف پہلا شاعر ہے جس نے اردو میں غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، لکھا بلکہ اُس نے

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اور اسکے کلام
کے متعلق مولوی عبدالحق صاحب لکھتے ہیں

اور جدت کا مسلک اختیار کیا، اور اپنے مشاہدات کو کام میں لا کر ایسی چیزوں پر نظمیں لکھیں جس سے اردو کے بعد شعرا بھی قاصر رہے"

سلطان محمد اور سلطان عبد اللہ کا اردو کلام

سلطان محمد اور سلطان عبد اللہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ پہلے کا تخلص ظل اللہ اور دوسرے کا عبد اللہ ہے[1]۔ انکے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں درج ہیں[2] اردو کا کلام ایک انتخاب میں جمع ہے جسے ۱۳۵۰ھ میں اردو ستانی نے حیدرآباد میں مرتب کیا ہے اور اسکا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]

ابوالحسن تانا شاہ اردو کا شاعر تھا

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن تانا شاہ کو بھی اردو شعرا میں شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب ذیل بیت اسکے نام سے تحریر ہے[4]۔

کس در کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بھل جھڑاٹ ہے
ایک بات کے ہوں گے سجن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے

عہد قطب شاہی کے اردو شعراء

گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اردو کے بہت باکمال شاعر ہوئے ہونگے اسواسطے کہ بادشاہوں کا میلان طبع جس جانب ہوتا ہے اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ انکے حالات پر گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اسکے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے نہایت جد و جہد اور تلاش و تجسس کے بعد جن شعرا کے حالات اور تصنیفات دستیاب ہوئے ہیں انکا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ رسالہ اردو جلد دوم صفحہ ۲۱۸ [2] حدیقۃ العالم جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ تا صفحہ ۳۰۰
[3] ایتھے نمبر (۲۰۰۸) [4] گلشن ہند صفحہ ۲۰ تذکرہ میر حسن صفحہ ۲۶ گل رعنا صفحہ ۲۸ [5] گل رعنا صفحہ ۲۶

مُلّا غواصی

مُلّا غواصی گولکنڈے کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں مُلّا نصرتی نے گلشن عشق میں انکا تذکرہ کیا ہے۔

پڑی کچھ غواصی تبی کر خیال کیا تازہ باغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ (۱۰۱۴ تا ۱۰۳۷ھ) بود۔ طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است بزبانِ قدیم نصفے فارسی نصفے ہندی بطور ریکبٹ کہانی سرسری دیدہ بودم شعر آن نظم یاد نیست"

مُلّا غواصی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں موجود ہیں۔

(۱) فسانہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اسمیں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور اجنہ کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظمِ دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اور غواصی کے ایک عرصہ بعد عالمگیر کے زمانہ میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خان کی فرمایش سے اس داستان کو فارسی میں نظم کیا ہے غواصی کی یہ مثنوی ۱۰۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

برس ایک ہزار ہو پنج تیس میں کیا ختم یو نظم دن تیس میں

(۲) طوطی نامہ۔ ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ کا ترجمہ ہے

اور ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے غواصی نے اسکے اختتام کی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

برس یکہزار ہور چالیس پہ نو ہوئے تھے یو موتیاں پور ویا ہو تو

ٹاسی جلد اول صفحہ ۴۹۴ ایتھے ۶۸۸ ولسن صفحہ ۳۸۶ میر حسن صفحہ صفحہ ۱۴۰
لسان العصر جلد (۱) نمبر (۳) صفحہ ۱۲۰ مثنوی سیف الملوک اور طوطی نامہ کے سنین تصنیف مولوی عبدالحق صاحب کی ایک خانگی تحریر مورخہ ۳ اپریل ۱۹۲۵ع سے اخذ کیے گئے ہیں۔
مثنوی سیف الملوک سنہ ۱۲۹۲ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے اور اسمیں اسکا تاریخی شعر اسطرح تحریر ہے۔

"برس ایک ہزار ہور ستائیس میں کیا ختم یو نظم دن تیس میں"

لیکن ہمنے جس قدر اس مثنوی کے قلمی نسخے دیکھے ہیں انمیں یہ شعر اسی طرح درج ہے جس طرح کہ ہم نے مضمون میں لکھا ہے۔

مُلّا قطبی

مُلّا قطبی قطب شاہی دور کے شاعر ہیں انہوں نے ۱۰۴۶ھ میں تحفۃ النصائح کا دکھنی زبان میں ترجمہ کیا ہے تحفۃ النصائح۔ شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہے یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہیں اور اپنے فرزند صدر الدین ابو الفتح کی تعلیم کے لئے ۷۹۵ھ میں اسے تصنیف کیا ہے۔ اسمیں ۴۵ ابواب ہیں اور انمیں فرائض و سنن کے احکام و آداب مذکور ہیں۔

تحفۃ النصائح ۶۰۷ بیت کا بحر رجز میں ایک ہم قافیہ قصیدہ ہے مُلّا قطبی نے اسی بحر اور اسی قافیہ میں اسکا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے فارسی قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں

حمدِ بگویم بے عدد مر خالقِ جن و بشر
کردہ معلق آسماں ہم اختراں شمس و قمر

...ے بدادہ عرش را   پر در پائیس طائرے

ان کا ترجمہ ملا قطبی نے یوں کیا ہے۔

بولوں صفت میں بے گنت   اس خالق جن و بشر
نرد ہار کر اسماں رکھیا   سورج ستارے ہور چندر
جوں بزرگی دی عرش کوں   پنکھے اڑے یکہ پائیستی
جوں بیچ برساں چارسو   انبڑے بزاں پائے دگر

خاتمے میں قصیدے کے ابیات و ابواب کی تعداد اور تاریخ تصنیف اسطرح مذکور ہے۔

ابیات گفتم جملگی   ہفت صدبراں ہفتاد و شش
ابواب او شد چہل و پنج   اندر حساب و ہم حصر
ہفت صد نود و پنج دگر   ہجرت محمد مصطفےٰ
عاشر ربیع الآخر میں   وقت ضحےٰ روز قمر

اسکا ترجمہ یہ ہے۔

بیتاں ستر چھہ سات سو   اس وضع سوں میں جو کیا
باباں ہیں چالیس پانچ جو   اسکوں یقیں کر تو شمر
چار بیس پندرہ سات سو   ہجرت سوں تھی اس مصطفےٰ
دسویں ربیع آخر جو تھا   ہور صبح صادق دن قمر

مترجم نے اپنا تخلص خاتمے میں اسطرح بیان کیا ہے۔

نارش جہاں میں میں کیتا   کیتا برائی کے جو بھی
قطبی دہر یا امید یو   لایا ہوں سب صاحب نظر

"سطورِ بالا تحفۃ النصائح اور اسکے دکھنی ترجمے سے ماخوذ ہیں۔ تحفۃ النصائح کا دکھنی ترجمہ مدیر صاحب تاج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ شیخ یوسف چشتی مصنف تحفۃ النصائح کے حالات کے لیے دیکھیے خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۶۶ اور تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۵۶ کتب مذکور میں شیخ یوسف کا سنہ وفات سنہ ۷۴۷ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے کیونکہ تحفۃ النصائح اس تاریخ کے بعد سنہ ۷۹۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔"

ابنِ نشاطی

ابنِ نشاطی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے اس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انہیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد کیا ہے۔

(۱) پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بساتین کا منظوم ترجمہ ہے میجر اسٹوارٹ نے اسکا سنہ ۱۰۶۹ھ تصنیف بیان کیا ہے۔ کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے سنہ ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن کتب خانہ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی سنہ ۱۰۷۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے سنہ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اتھا تاریخ لا یو توں یو گلزار اگیارہ سو کوں کم تھے بیس یو چار

محمد ابراہیم بیجاپوری نے سنہ ۱۰۷۹ھ میں انوار سہیلی کا نثر دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے دیباچے میں دکھنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں اور ان میں پھول بن کا نام بھی شامل ہے۔

حاجی خلیفہ نے بساتین کا نام لکھا ہے۔ یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہے اور ملا احمد زبیری نے اسے سلطان محمد تغلق (سنہ ۷۲۵ھ – سنہ ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہے۔

(۲) طوطی نامہ۔ شیخ ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہے پروفیسر ٹاسی نے اسکا سنہ ۱۰۴۹ھ تصنیف بیان کیا ہے۔ لیکن میجر اسٹوارٹ کے بیان سے سنہ ۱۰۶۴ھ میں اسکا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ٹاسی جلد اول ص ۲۵۶ اسٹوارٹ ص ۱۸۱ ایتھے نمبر (۱۶۸۲) لسان العصر جلد ۱ نمبر ۳ ص ۲۲۳ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱ حاجی خلیفہ جلد دوم ص ۵۔ فہرست کتبخانہ آصفیہ جلد دوم ص ۱۵ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اردو کے نمبر ۱۶۶ پر اسکا سنہ ۱۱۳۳ھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔ طوطی نامہ کے لئے دیکھیے دوسرا ضمیمہ

جنیدی

شیخ احمد نام ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں اِسنے ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے ٹیپو سلطان کے کتبخانے میں اسکا ایک نسخہ موجود تھا لیکن اسوقت کمیاب ہے۔ یہ مثنوی سنہ ۱۰۶۴ھ میں تمام ہوئی ہے اور مصنف نے اسکا سال تصنیف اسطرح بیان کیا ہے۔

نبی کی سو ہجرت کا یو تھا قرار
چہار سال تین میں بھی ایک ہزار

اسٹوارٹ ص ۱۷۹

طبعی

طبعی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا معاصر ہے اسنے سنہ ۱۰۸۱ھ میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے جسمیں بہرام و گل اندام کا فسانہ مذکور ہے اور اسکا دیباچہ شاہ راجو حسینی کے نام سے منسوب کیا ہے خاتمہ میں ابوالحسن تاناشاہ کی مدح وستایش بیان کی ہے شاہ راجو حسینی گولکنڈے کے مشہور بزرگ ہیں خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے سنہ ۱۰۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے ابوالحسن تاناشاہ جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کا داماد وجانشین ہے آپ کا مرید تھا۔

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودہواں بادشاہ ہے اسکے حکایات فارسی میں نظامی اور ہاتفی نے نظم کئے ہیں اور انہیں ہفت پیکر و ہفت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہے ان ناموں کے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور وہ سات مختلف باغوں میں الگ الگ رہتی تھیں۔

طبعی نے اپنی مثنوی کو ہفت پیکر سے اخذ کیا ہے لیکن اسنے نظامی اور ہاتفی کی طرح اسکا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے۔ خاتمہ میں قصہ بہرام و گلندام کے نام سے موسوم کیا ہے اور اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

الہی بچن کا مجھے تاب دے   مری جیب کی تیغ کوں آب دے

اسپرنگر صفحہ ۶۳۹ اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۹ ایتھے ۱۶۹۷ ٹاسی کا پانچواں خطبہ مترجمہ

نواب مسعود یار جنگ بہادر اردو جلد سوم صفحہ ۴۴۲ مترجم نے طبعی کا تلفظ تابی لکھا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔
شاہ راجو حسینی کے لئے دیکھئے تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۲۲۵ اور بہرام گور کے لئے ڈاکٹر اسپیگل کی کتاب عتائق ایران جلد سوم صفحہ ۳۲۴

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے۔ گجرات کے سادات سے تھے اور حیدرآباد میں رہا کرتے تھے۔ سلطان ابوالحسن تانا شاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کے وزیر سید مظفر کے لڑکے کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔

نوری اپس کے دل کی کسی نے کہی تھا　　حاصل بھلا اس سے دوانے جو سو تھا

ٹاسی جلد دوم صفحہ ۴۸۳ میر حسن صفحہ ۱۹۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۱۱۹

نوری۔ دو بزرگوں کا تخلص ہے۔ ایک نوری حیدرآبادی جنکا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ دوسرے نوری۔ اعظم پور کے باشندے تھے۔ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں انہیں ملا فیضی سے بے حد ربط و ضبط تھا۔ قاسم چاندپوری اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکروں میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۹۹)

"ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد　　بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے"

پروفیسر ٹاسی کو نوری کا تذکرہ لکھنے میں تخلص کے ایک ہونے کی وجہ سے سخت مغالطہ ہوا ہے اور نوری حیدرآبادی و نوری اعظم پوری دونوں کو احد سمجھکر ان کے حالات مخلوط کر دئے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون "زبان اردو" پر لکھا گیا ہے اسمیں بھی کاتب مضمون سے پروفیسر موصوف کی اتباع کے باعث یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

ملا فیضی کا ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا ہے (بدایونی صفحہ ۳۰۲ آثار الکرام صفحہ ۱۹۹) ابو الحسن تانا شاہ کی تخت نشینی کے بعد ۱۰۸۳ھ میں سید مظفر کو عہدہ وزارت ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۳۹) فیضی کی وفات اور سید مظفر کی وزارت کے مابین اکیاسی سال کا زمانہ گزرا ہے۔ اس طویل مدت کو طے کر کے فیضی کے دوست کا سید مظفر کی ملازمت کرنا بعید از قیاس امر ہے۔

فائز

گولکنڈہ کا شاعر اور ابو الحسن تانا شاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کا معاصر ہے تباہی سلطنت قطب شاہیہ سے چار سال پہلے ۱۰۹۴ھ میں اسنے قصہ رضوان شاہ و روح افزا کو نظم کیا ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اسکا ایک قلمی نسخہ ۱۲۴۰ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ فسانہ نثر فارسی میں تھا بعض دوستوں کی فرمایش سے فائز نے نظم دکھنی میں اُسکا ترجمہ کیا۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

اول نام حق کا لے بولوں سخن ۔۔۔ بندوں اوسکی توحید کہولوں دہن

تاریخ تصنیف اسطرح بیان کی ہے۔

اتہا جس وقت سال ہجرت ہزار ۔۔۔ اُس اوپر نود او سکے اوپر چہار

مثنوی کا نام قصہ رضوان شاہ رکہا ہے اور خاتمہ میں اسکا ذکر اسطرح کیا ہے

ہوا قصہ رضوان شاہ کا تمام ۔۔۔ نبی اور ولی ہزاراں سلام

اسپرنگر صفحہ ۶۰۶ استوارٹ صفحہ ۱۷۹

ڈاکٹر اسپرنگر نے فائز کا املا بجائے زائے منقوطہ کے ضاد منقوطہ سے فائض لکھا ہے۔

فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم صفحہ ۱۲۸۴ میں اسکا نام قصہ روح افزا درج ہے جو غلط ہے۔ اور کتب خانہ مذکور میں اسکا نسخہ فن قصص نمبر ۱۳۱ پر محفوظ ہے۔

شاہی

ان کا نام شاہ قلی خاں ہے۔ حیدرآباد کے باشندے اور قطب شاہی
لشکر میں ملازم تھے۔ رفتہ رفتہ تاناشاہ کے مصاحب ہو گئے۔ مرثیہ خوب کہتے تھے
انکا ایک شعر مشہور ہے۔

ملنا تمن کا غیر سے کوئی جھوٹ کو سچ مجھ کہے
کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میرحسن صـ ۱۲۳ سخن شعرا صـ ۲۴۰

مرزا

ان کا نام ابوالقاسم ہے حیدرآباد کے باشندے تاناشاہ کے مقرب تھے
اورنگ زیب عالمگیر نے جب حیدرآباد فتح کیا تو فقیر ہو کر عبداللہ گنج میں گوشہ نشین
ہو گئے اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں
ان کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

عارض نہیں حیدر کا ترے گال ہوا اچھا | سمجھیں ہیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال ہوا اچھا
مرزا وہ نونہال کدہر مٹ گئے چمن | لگتا تھا جن کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

میرحسن صـ ۱۶۸

بیجا پور

سلطنت عادل شاہیہ

سنہ ۸۹۵ھ — سنہ ۱۰۹۷ھ

(۱) یوسف عادل شاہ	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۹۱۶ھ[۱]
(۲) اسمٰعیل عادل شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۴۱ھ
(۳) ملو عادل شاہ	سنہ ۹۴۱ھ	
(۴) ابراہیم عادل شاہ اوّل	سنہ ۹۴۱ھ	سنہ ۹۶۵ھ
(۵) علی عادل شاہ اول	سنہ ۹۶۵ھ	سنہ ۹۸۸ھ
(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۳۷ھ
(۷) محمد عادل شاہ	سنہ ۱۰۳۷ھ	سنہ ۱۰۶۷ھ
(۸) علی عادل شاہ ثانی	سنہ ۱۰۶۷ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
(۹) سکندر عادل شاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ

یوسف عادل شاہ کا نسب

سلاطین عادل شاہیہ کا سلسلۂ نسب روم کے سلاطین عثمانیہ سے ملتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان مراد (سنہ ۸۲۴ھ — سنہ ۸۵۵ھ) کے دو فرزند تھے۔

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۱۳ طبقات اکبری میں سنہ ۹۱۳ھ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور اسد خاں نے سراج التواریخ میں سنہ ۹۲۵ھ لکھا ہے۔ بساتین السلاطین ص۲۲

۸۵۵ھ) محمد خاں و یوسف خاں ۸۵۵ھ میں جب سلطان مراد کا انتقال ہو گیا تو شاہزادہ محمد[1] بر سر حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادہ یوسف کی وجہ سے تخت و تاج کے لئے آئندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اوسکے قتل کا حکم دیدیا۔ افسرانِ سلطانی شاہزادہ یوسف کے لئے اسکی ماں کے یہاں گئے تو اسنے شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک ایرانی تاجر خواجہ عماد الدین گرجستانی کو بلا کر شاہزادے کو ایک کثیر دولت کیساتھ اسکے حوالہ کر دیا۔ تاکہ اُسے دار الحکومت سے لیکر فرار ہو جائے اور شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبیہ تھا رات کو مسموم کر دیا اور صبح اسکی لاش افسران سلطانی کے حوالہ کر دی۔ غلام کا جنازہ سلطانی رسم و رواج کے موافق سپرد خاک کیا گیا۔ اور خواجہ عماد الدین شاہزادہ یوسف کو لیکر اسی شب میں ترکوں کے دار الحکومت سے نکلا اور وہاں سے ایران میں آکر ساوہ میں پناہ گزیں ہوا۔

(یوسف عادل شاہ ہندوستان میں آیا)

خواجہ عماد الدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے اسکے بعد دونوں ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے بندر ہرموز سے جہاز پر سوار ہو کر ۸۶۴ھ میں مصطفےٰ آباد دابل پر اُترے اور یہاں بہمنیوں کے دار السلطنت احمد آباد بیدر میں آکر خواجہ محمود گاواں کے مہمان ہوئے۔ محمود گاواں نے یوسف کی سرگزشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کر کے اُسے

---

[1] سلطان مراد سلطنت عثمانیہ کا چھٹا فرمانروا ہے اسکا جانشین سلطان محمد جسے اہل تاریخ فاتح قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۸۵۵ھ سے ۸۸۶ھ تک حکمراں رہا ہے اسنے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کو فتح کیا [illegible]

شاہی جلوس میں شامل کرادیا شاہزادہ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا اسلئے محمد شاہ بہمنی (۸۶۷ھ-۸۸۷ھ) کے دربار میں اُسے بے حد تقرب حاصل ہوگیا یہاں تک کہ ۸۸۳ھ میں بادشاہ نے اُسے جنیر کا صوبہ دار بنادیا اسکے بعد بیجاپور کا سر لشکر مقرر ہوا اور مدت دراز تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا محمود شاہ بہمنی (۸۸۷ھ-۹۲۴ھ) کے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب ہوگئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۸۹۵ھ میں اسنے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور بیجاپور کو مستقر حکومت قرار دیکر اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا۔

سلطنت عادلشاہیہ کی [illegible]

یوسف عادلشاہ کے بعد اسکی اولاد میں یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کچھ کم دوسو برس حکومت قائم رہی۔

یوسف عادلشاہ اور اسکا جانشین اسمٰعیل عادلشاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اُن کا کلام نقل کیا ہے اور اسمٰعیل عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے کہ۔

یوسف عادلشاہ اور اسمٰعیل [illegible]

"ہیچ یک از سلاطین دکن بمتانت ولطافت او سخن نگفتہ"

اسمٰعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اسکے بعد علی عادلشاہ بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے انکے عہد

له یوسف عادل شاہ کی اصلیت اور روم سے فرار ہوکر بیدر میں آنے اور بیجاپور میں برسر حکومت ہونے تک جو کچھ واقعات گذرے ہیں اون کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم صلے منتخب اللباب جلد سوم ص۲۶ بساتین السلاطین ص۵ ہنری کزنس کی انگریزی کتاب آرکی ٹکچر آف بیجاپور کا ضمیمہ جس میں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات تحریر ہیں۔

عراق و عجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر بیجاپور کی سکونت اختیار کر لی تھی اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔

علی عادلشاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے علمائے عراق عقل حادی عشر کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہزارہا روپیہ صرف کرکے شیراز سے بلایا تھا۔ اسکا وزیر افضل خان شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اسکی فیاضیوں سے بیجاپور میں کثرت سے علماء و فضلا جمع ہوگئے تھے افضل خاں اور ملا فتح اللہ کے مکانات پر روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے۔ علی عادل شاہ ہفتہ میں تین بار دربار شاہی میں علماء و فضلا کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے روبرو علمی مباحثہ و مذاکرہ کیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا ہے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اسنے اپنے زمانہ میں علم و ہنر کے پھیلانے میں جو کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے۔ مثلاً

نورالدین ظہوری جسکی نظم و نثر ساری دنیا میں مشہور ہے۔

ملا ملک قمی جس نے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھکر بادشاہ سے اسکے صلہ میں ایک بار شتر زر طلا حاصل کیا ہے۔

حکیم محمد قاسم فرشتہ جس نے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان کی بے مثل و بے نظیر تاریخ لکھی ہے۔

عبدالرشید التبگی جس نے بادشاہ کی فرمایش سے علاء الدین محمد بن زکریا یحیی فیرو

کی عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

ملا رفیع الدین شیرازی جس نے بادشاہ کے ایما سے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا ہے۔ اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادلشاہیہ کی ایک مبسوط تاریخ تذکرۃ الملوک کے نام سے تصنیف کی ہے۔

شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شیخ شہاب الدین ابن الحجر المکی کے شاگرد تھے اور بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد میں علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادلشاہ اور اسکے بعد علی عادلشاہ ثانی برسر حکومت ہوئے ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و فضل کے حامی اور سرپرست تھے۔ محمد عادل شاہ کا درباری شاعر حکیم آتشی تھا اسنے بادشاہ کے حکم سے خمسۂ نظامی کا جواب لکھا ہے ملا رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک میں سلاطین عادلشاہیہ کے حالات ابراہیم ثانی تک لکھے تھے۔ بادشاہ کے ایما سے ملا محمد حسن نے اسکا تکملہ لکھا اور اسمیں محمد عادلشاہ کے حالات تحریر کئے علی عادلشاہ ثانی کے زمانہ میں سید نور اسد ولد قاضی سید علی محمد ایک زبردست انشاء پرداز گذرے ہیں انہوں نے علی عادلشاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے اور اسمیں اپنے چشم دید واقعات قلم بند کئے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و مقفی ہیں۔

سلاطین عادلشاہیہ اور زبان اردو

سلطنت عادلشاہیہ کی بنیاد پڑنے سے مدتوں پہلے بیجاپور میں اردو زبان

عام ہو گئی تھی امیر غریب ادنیٰ اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے سلاطین بہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کر دیا تھا لیکن یوسف عادل شاہ اور اسکے فرزند اسمٰعیل عادلشاہ نے اپنے زمانہ میں شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کر دیا۔ کم و بیش پچاس سال فارسی عروج پر رہی ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج و تخت کو حاصل کیا تو اسنے حسب سابق فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں زبانِ اردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت کی زبان قرار پائی۔ مورخ خافی خاں نے اس واقعہ کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کہ بجائے دفتر ہندی جد و پدرا و قرار داہ بود

برطرف نمودہ بدستور سابق ہندوی مقرر نمود [1]

علی عادل شاہ اول (۹۶۵ھ تا ۹۸۷ھ) نے اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان کو مروج کیا۔ لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۷ھ تا ۱۰۳۷ھ) جب حکمراں ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر اردو زبان جاری ہو گئی اور سلطنت عادل شاہیہ کی تباہی تک برابر جاری رہی [2]

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی۔ خاص کر سرودِ ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گویے اور سے

---

[1] منتخب اللباب جلد سوم ص ۲۰۳ ۔ مورخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے بھی قدرے اجمال کیساتھ اس واقعہ کو تحریر کیا ہے دیکھیے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۲۷ بساتین السلاطین ص ۲۹
[2] سلسلہ آصفیہ جلد چہارم ص ۲۵۴

"جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اس نے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سرود ہندی کے قواعد وضوابط قلمبند کئے تھے اور اس کا نام نورس نامہ رکھا تھا۔ یہ کتاب نظم دکنی میں تھی۔ ملا ظہوری نے فارسی میں اس پر دیباچہ لکھا تھا جو اسوقت بھی موجود اور سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

علی عادلشاہ ثانی کو زبان اردو سے بیحد دلچسپی تھی اسکے زمانہ میں شعروشاعری کا خوب چرچا تھا۔ اردو گو شعرا کثرت سے پیدا ہو گئے تھے۔ بادشاہ انکے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا۔ اور ان سے اردو میں بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں اور انکے صلہ میں رقومات کثیر عطا کئے تھے۔ چنانچہ مورخ خافی خاں نے لکھا ہے۔

بادشاہے بود باہوش سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت و وسعت خلق مشہور۔ فضلا وصلحا را دوست داشتی۔ و شاعراں را حرمت نمودے خصوص درحق شاعران ہندی زیادہ مراعات می فرمود۔ در عہد او ترجمہ یوسف زلیخا تالیف ملا جامی و ترجمہ روضۃ الشہدا و قصہ منوہر و مدمالت که عاقل خاں خوافی بہ نظم در آوردہ ملا نصرتی و دیگر شاعران بیجاپور بہ زبان دکنی تالیف نمودہ از نقد و جنس صلہ وافر درخور سلاطین یافتند۔

واز جملہ شعرائے بیجاپور آں عہد میرزا تخلص شاعری بود کہ زبان خود را وقف حمد و نعت سید المرسلین و منقبت آلِ الطاہرین نمودہ ہرگز برائے احدے از شاہ و گدا شعر نہ گفت و مرثیہ بے شمار کہ در ماتم شہدائے کربلا گفتہ زبان زد خاص و عام مردم دکن و دیگر بلاد گردیدہ۔ روزے علی عادلشاہ میرزا را

بحضور خود طلبیده بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ در مدح بادشاہ زبان آشنا سازد در جواب التماس نمود۔ زبانی کہ برائے حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ بحکم من نہ ماندہ۔ بعدہ کہ مکرر سلطان تکلیف نمود یک دو مرثیہ از زبان سلطان بہ جائے اسم خود تخلص علی عادلشاہ قسمی داخل نمود کہ ذو معنی واقع شدہ"

ابراہیم زبیری نے علی عادلشاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

"شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند و خانہ بخانہ ہنگامۂ شعر گوئی تازہ گرم داشتہ اند۔ ازاں طبقہ یکے میاں نصرتی است کہ بہ نصرت وقار و مساعدت ذہن ثاقب تیغ زباں کشیدہ فتح اقلیم سخنوری کردہ بملک الشعرائی حکم شد" ؎

دربارِ عادل شاہی کے شعرا کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے متجاوز ہو گی مگر تذکرہ نویسوں کی بے التفاتی سے انکے نام تک ناپید ہو گئے ہیں بعض نام تاریخوں میں ضمناً آگئے ہیں بعض کا پتہ اون کی اُن تصنیفات سے چلا ہے جو زمانے کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہو گئی ہیں۔ انمیں سے ذیل کے شعرائے بیجاپور میں خاص شہرت حاصل کی ہے۔

شعرائے بیجاپور

رسمیؔ

رسمی کا نام کمال خاں اور اسکے والد کا نام اسمٰعیل خان ہے باپ اور بیٹے

دونوں سلاطین بیجاپور کے دربار میں دارالانشاء کی افسری پر مامور تھے انہوں نے اس کا تخلص رستمی لکھا ہے لیکن یہ غلطی ہے رستمی نے خدیجہ سلطانہ شہر بانو بیگم کی فرمائش سے ۱۰۵۹ھ میں خاور نامہ کا فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ بیگم سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) کی دختر اور سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کی خواہر تھی ۱۰۴۲ھ میں ابوالمنصور سلطان محمد بن ابراہیم عادلشاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ) کے ساتھ اسکا عقد ہوا تھا خاور نامہ نظم ہے اور شاہنامۂ فردوسی کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اسمیں امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور ہیں۔

محمد بن حسام الدین الخوافی نے ۸۳۰ھ میں اسے تصنیف کیا ہے۔ اور اس تصنیف کے باعث اس نے فردوسی ثانی کے لقب سے شہرت حاصل کی ہے ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے ۸۲۷ھ اور خوندمیر نے ۸۹۳ھ لکھا ہے لیکن صحیح تاریخ ۸۷۵ھ ہے۔

¹ ٹاسی جلد دوم صفحہ ۵۶۹ ایتھے نمبر ۸۹۶ ریو جلد دوم صفحہ ۶۲۴ حدیقۃ العالم
¹ جلد اول صفحہ ۲۲۳ دولت شاہ صفحہ ۴۳۸ حبیب السیر جلد سوم جزو سوم صفحہ ۲۳۹

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے انکے آبا و اجداد بیجاپور میں فوجی ملازم اور والد رکاب شاہی کے سلح دار تھے۔ چنانچہ خود نصرتی اس کا ذکر کیا ہے۔

کہ تہا مجھ پدر سو شجاعت مآب   قدیم یک سلحدار جمیع رکاب

پور نصرتی کے بہائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے بیجاپور کے مشاہیر فقرا میں انکا شمار ہوتا ہے نگینہ باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق قادری ؒ کی درگاہ میں ان کا مزار ابتک موجود ہے۔

گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادلشاہ (سنہ ۱۰۳۶ھ تا سنہ ۱۰۶۷ھ) زمانہ میں دربار میں رسائی حاصل کی۔ علی عادلشاہ (سنہ ۱۰۶۷ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔

نصرتی کی تصنیفات سے تین مثنویاں ہیں ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے۔ مثنویوں کے نام یہ ہیں (۱) علی نامہ (۲) گلشن عشق (۳) گلدستۂ عشق یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھیں پروفیسر ٹاسی نے بھی انکا ذکر کیا ہے۔

علی نامہ تاریخی نظم ہے۔ اسمیں نصرتی نے علی عادلشاہ کے سوانحات فتوحات اور مجالس عیش و طرب کے واقعات بیان کیئے ہیں اور انکے ضمن میں مختلف مواقع پر قصائد مدحیہ بھی درج ہیں مارلے نے اپنی فہرست مخطوطات تاریخی میں اسکا نام تاریخ علی عادلشاہ لکھا ہے لیکن خود نصرتی نے شاہنامۂ دکن کے نام سے اسکا ذکر کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

ہوئی کیتا سخن مختصر بے گماں   کہ یو شاہنامہ دکن کا ہی جان

علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکھا ہے اسمیں سنہ تصنیف درج نہیں ہے لیکن مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۸۱ھ کے بعد تمام ہوئی ہے کیونکہ

کیونکہ اسمیں سب سے آخیر واقعہ پنالہ کی فتح کا مذکور ہے اور اس مقام کو علی عادلشاہ نے ۱۰۸۱ھ میں فتح کیا ہے اور اس واقعہ کی یادگار میں نصرتی نے دکھنی زبان میں ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔ جو ابراہیم زبیری کی تاریخ میں درج ہے۔

علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں

گلشن عشق میں منوہر و مدمالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے اسمیں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں اور ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

دھریا اس کی تاریخ کا جب خیال ۔۔۔ وہیں ہاتف غیب عجز مقال

کہیا اسکی تاریخ ہاں ہجرتی ۔۔۔ "مبارک ہے یو ہدیہ نصرتی"

عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدمالتی کے فسانہ کو فارسی میں منظوم کیا ہے اور شمع و پروانہ اسکا نام رکھا ہے خوافی خان نے گلشن عشق کو عاقل خان کی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ گلشن عشق ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوا ہے اور اسکے ایک سال بعد عاقل خان نے شمع و پروانہ لکھی ہے۔ چنانچہ شمع و پروانہ کا وہ بیت جسمیں تاریخ تصنیف کا ذکر آیا ہے یہ ہے۔

ہست اکنوں ز دور نہ طارم ۔۔۔ سال ہجرت ہزار و شصت و نہم

قصائد و غزلیات کے مجموعے اسوقت ناپید ہیں لیکن ابراہیم زبیری کے زمانہ میں مروج و متداول تھے اور انمیں قصائد و غزلیات کے علاوہ نظم کے

دوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصانیف میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی شامل ہے جسکے ایکسو اکتیس شعر ہیں اسمیں معراج کے حالات مذکور ہیں جسکے باعث معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے یہ قصیدہ سلطان محمد عادلشاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے اسکے خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح وستایش بیان کی ہے اور اخیر میں اپنا تخلص اسطرح لایا ہے۔

شہ کی ثنا نصرتی نغز و نول یوں لکھی　　دور کے دفتر اوپر پر اچھے ہر یک بچن

گل رعنا کے مصنف نے اسکا ایک نسخہ دیکھا ہے جو ۱۰۸۳ھ میں بمقام اکبرآباد مکتوب ہوا ہے اور چند اشعار اس سے انتخاب کرکے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا ۱۰۹۵ھ میں انتقال ہوا ہے اور انکی لاش سید شاہ عبدالرزاق قادری کی درگاہ میں شیخ منصور کے مزار کے قریب مدفون ہے۔

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور انکی مضمون آفرینی زور طبع اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے

ٹاسی جلد دوم صفحہ ۴۸۵ اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۰ و صفحہ ۱۷۹ اسپرنگر صفحہ ۶۳۳ مارلے صفحہ ۹۷ ولسن صفحہ ۳۹۰ ایتھے نمبر ۳۴ ۱۶ - ترجمہ انوار سہیلی صفحہ ۱۱ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم صفحہ ۶۵۱ بساتین السلاطین صفحہ ۲ صفحہ ۳۷۶ و صفحہ ۴۲۳ و صفحہ ۴۳۸ منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳۶ گل رعنا صفحہ ۲۶ و صفحہ ۷۹ لسان العصر جلد اول صفحہ ۱۱۱ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم ص

شاہ ملک

شاہ ملک بیجاپور کے باشندے اور علی عادلشاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے ایک رسالہ احکام الصلوٰۃ کے نام سے نظم دکھنی میں لکھا ہے اور اس میں نماز کے فرائض و احکام بیان کئے ہیں۔ یہ رسالہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور ۱۰۷۷ھ میں تمام ہوا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے

یو مسلیاں کو دکھنی کیا اس سبب　　فہم کر کے دل میں کرے یاد سب
سو یو شین الف ہی و میم لام کاف　　فرس کوں دکھنی میں بولیا ہے صاف
سنہ یکہزار ہو ستر یو سات　　کیا تھا اسی سال میں یو نکات

احکام الصلوٰۃ کا ایک قلمی نسخہ ۱۱۱۱ھ کا لکھا ہوا مدیر تاج کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اسی سے ہم نے یہ حالات اخذ کیے ہیں۔

امین

امین　　شیخ امین الدین اعلیٰ کا تخلص ہے۔ آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں اور علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں شاہ میراں جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۹۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے آپ کے مریدوں نے ان اشارات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام جواہر الاسرار رکھا ہے۔ مینے اس کا ایک نسخہ ویلور میں دیکھا ہے

جسکا حجم پانسو صفحات سے زیادہ ہے اور اسمیں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں اور ان کے بعد تہوڑا سا متفرق کلام ہے۔ مدیر تاج کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ دکنی تصنیفات کا ہے جسمیں آپ کے بھی دو رسالے شامل ہیں ایک رسالہ کا نام رسالہ قربیہ اور دوسرے کا رسالہ وجودیہ ہے اور ان دونوں رسالوں میں تین سو بیالیس ابیات ہیں۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور صہ ۱۲۲ تاریخ خورشید جاہی صہ ۱۸۴

سیوا

ان کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۸ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا کو نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے بعد قانونِ اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسمیں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں ان کے علاوہ بہت سے مرثیے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں اب تک پڑہے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہدا مولانا کمال الدین حسین الواعظ کی تصنیف ہے مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے ۹۱۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے انوار سہیلی اخلاق محسنی تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہدا شہدائے کربلا کے حالات میں ایک مشہور اور مقبول عام

کتاب ہے۔ سیوا کے بعد دکن کے اکثر شعرانے واقعات کربلا کو منظوم کیا ہے اوران سب کا ماخذ بھی یہ ہی فارسی کتاب ہے۔

تاسی جلد سوم ص ۱۴۲ اسٹوارٹ ص ۱۸۱ آبحیات ص ۷۲ لسان العصر جلد اول ص ۱۱۶
حبیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۳۴۱

مومن

ان کا نام عبدالمومن ہے چینا پٹن کے باشندے تھے۔ یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادلشاہی عملداری میں شامل تھا۔ مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے انہوں نے اسرار عشق کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اور اسمیں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات و کرامات تحریر کیے ہیں یہ کتاب نظم میں ہے اور ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے اسکا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میراں اور وطن بیجاپور ہے۔ علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے عہد میں گذرے ہیں۔ سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی تخلص کرتے تھے شاہ ہاشم بیجاپور کے مشاہیر اولیا سے ہیں شاہ وجیہہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے ۱۰۶۶ھ آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمایش سے یوسف زلیخا کا فسانہ منظوم کیا ہے۔

خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمۂ انوار سہیلی کے دیباچہ میں اسکا ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے

یہ مثنوی سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ ۱۰۹۷ھ) کے اوائل عہد میں شاہ ہاشم کی وفات سے ترتالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ ترجمۂ یوسف زلیخا میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

مرتب کیا میں یہ قصہ کو تو ہزار اک برس پر تھے نود پو نو

اسمیں چھ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اسکا حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

ثنا حمد اسکوں سزاوار ہی سگل عشق جیکا یو ستار ہے

اس مثنوی کا ایک نسخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اور دو نسخے جرمن کی اورنٹیل سوسائٹی کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں۔

ہاشمی نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جسمیں قصائد و غزلیات کے علاوہ مرثیئے اور قطعات اور رباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اسوقت نایاب ہے لیکن جن لوگوں نے اسکو دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اسمیں جسقدر غزلیات ہیں انکا بیشتر حصہ ریختہ کی بجائے ریختی میں ہے اور اسمیں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کا سال وفات ۱۰۹۰ھ تحریر ہے لیکن تاریخ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ ہاشمی شاہ ہاشم کے مرید اور علی عادلشاہ

کے معاصر ہیں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے۔ مصنف گلِ رعنا نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے سنہ ۱۱۹۰ھ کے سنہ ۱۰۹۰ھ قرار دیکر اسکی تصحیح کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ سنہ ۱۰۹۰ھ کے نو سال بعد سنہ ۱۰۹۹ھ میں ہاشمی نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے حقیقت میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ سنہ ۱۱۰۹ھ ہے جس کو مصنف کتاب اعراس بزرگاں نے لکھا ہے۔

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے۔

ونیز از جملہ ہندی گویان آنزماں یکے میاں ہاشمی است کہ بفیض لعاب دہن مبارک حضرت سید شاہ ہاشم قدس سرہ زبان شیریں بیان کشادہ از سخنوران گوئے سبقت ربودہ قصۂ یوسف زلیخا را بہ محاورہ آں زماں بزبانِ دکھنی نظم نمودہ و دیوان غزل مشتمل بر مضامین سنجیدہ و تلازمات شعریہ ہم دارد کہ مقبول طبائع افتادہ و در شعر طرازی نادر روشی غریب ورزیدہ کہ کسی برو سبقت نہ کرد باوجودیکہ بصیر مادرزاد بصیرت چشم بینا۔

فہرست کتبخانہ جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد دوم صـ ۹۶ بساتین السلاطین صـ ۴۳۲ منتخب اللباب جلد سوم صـ ۳۶ ترجمہ انوار سہیلی صـ ۱۱ روضۃ الاولیاء صـ ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم صـ ۱۲۰۲ گل رعنا صـ ۲۷ لسان العصر جلد اول صـ ۱۱۴

مرزا

ان کا وطن بیجاپور ہے نصرتی اور علی عادلشاہ ثانی (سنہ سم
کے معاصر ہیں۔ صرف مرثیے اور نعت و منقبت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے
تمام عمر اپنی زبان کو کسی امیر یا بادشاہ کی مدح و ستایش سے آلودہ نہیں کیا
ایک دفعہ علی عادلشاہ نے ان سے اپنی مدح کہنے کی فرمایش کی اور اس پر
مکرر اصرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثیے لکھے اور اسمیں اپنے تخلص کے بجائے
بادشاہ کا نام درج کر دیا۔

مرزا نے علی عادلشاہ کے زمانے میں وفات پائی ہے ابراہیم زبیری
نے لکھا ہے کہ مرزا محرم میں دسویں شب مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کی علی الصباح
طہارت کے لئے باہر نکلے تو انکو کسی دشمن نے خنجر سے شہید کر دیا۔ دن
نکلنے کے بعد جب شہر کے علم و تعزیے نکلے تو انکے پیچھے مرزا کا جنازہ
بھی نکالا گیا۔ اور شہر کے باہر شاہ مرتضیٰ قادری کے مقبرے میں انکی
لاش سپرد خاک کیگئی۔

منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۲۶ بساتین السلاطین صفحہ ۴۲۳ گل رعنا
صفحہ ۲۷

شعرائے دکن

مغلوں کے عہد حکومت میں

شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) نے پہلے پہل ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اسکے بعد شاہان مغولیہ کی پے بہ پے یورشیں ہونا شروع ہوئیں ۱۰۴۵ھ میں شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) اپنے ایام حکمرانی میں ۱۰۹۰ھ سے ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم دس برس شاہان دکن کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہا ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اسکے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل نو مہینے کی معرکہ آرائی کے بعد ۲۳ ذی القعدہ ۱۰۹۹ھ کو گولکنڈہ فتح ہوا اور اسطرح ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اردو کے ساتھ بیحد مراعات کئے جاتے تھے۔ اور انہیں اپنی تصنیفات کے صلہ میں ہزارہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا امراء و سلاطین دکن کی قدردانیوں نے ان میں یہ مذاق پیدا کیا تھا۔ اسلئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کے ساتھ اردو شاعری کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا سبب اس کا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اردو دکن میں

عموماً اور مسلمانان دکن میں خصوصاً اس قدر عام ہوگئی تھی کہ بات چیت اور لین دین خط و کتابت یہ تمام باتیں اسی زبان میں ہوا کرتی تھیں ایسا شخص شاذ و نادر ہی نکلتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا۔ زبان اردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شعر و شاعری پھیل گئی تھی اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اسکی طرف رجوع ہوگئے تھے اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحان عام کے باعث اسکو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور برقرار رہا۔

مغولیہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعرانے شہرت حاصل کی ہے ان کے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

عاجز

ان کا نام محمد علی ہے۔ دکن کے باشندے تھے لیکن ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہوا کہ کس شہر کے رہنے والے تھے اور دکن کا کونسا خطہ ان کا وطن تھا۔ دکنی سلطنتوں کی تباہی اور اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات کے زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی تصنیفات سے کتب ذیل موجود ہیں۔

(۱) قصۂ فیروز شاہ۔ منوچہر خان حاکم مشہد (۱۰۳۴ھ لغایت ۱۰۴۷ھ) کے عہد میں نثر فارسی میں ایک کتاب محبوب القلوب لکھی گئی ہے جس میں

مختلف قصص و حکایات جمع ہیں منجملہ اُنکے ایک قصہ فیروزشاہ کا ہے جسے عاجز نے اردو میں نظم کیا ہے۔

پروفیسر ولسن کا (جس نے کرنل میکنزی کے مخطوطات مشرقیہ کی فہرست بنائی ہے) بیان ہے کہ فیروزشاہ کے قصہ میں بہت سی باتیں گل بکاؤلی کی داستان سے ملتی جلتی ہیں۔ اس قصہ کا ایک نسخہ جو سنہ ۱۱ھ کا لکھا ہوا ہے انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس سے ثابت ہے کہ عاجز نے اسے سنہ ۱۱ھ سے پہلے تصنیف کیا ہے۔

(۲) قصہ لال و گوہر۔ بنگالہ میں زمرد شاہ اور نگینہ میں جواہر شاہ دو بادشاہ تھے۔ لال زمرد شاہ کا فرزند اور گوہر جواہر شاہ کی دختر تھی اس میں ان دونوں کے عشق و محبت کا فسانہ مذکور ہے یہ فسانہ اندر سبھا کے قصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور اسکو میر حسین علی عزت نے ٹیپو سلطان کے حکم سے ۱۱۹۲ھ میں بمقام سرنگاپٹم نظم فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور اسکی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

زہجرت یکہزار و صد و ہشتاد ۔۔۔ کہ بود اثنا عشر بالائے تعداد

قصہ لال و گوہر بمبئی میں چھپ گیا ہے اور عام طور پر ملتا ہے۔ پروفیسر ٹاسی نے بھی اس کا فرانسیسی میں خلاصہ کیا ہے جو اون کی تاریخ میں بطور ضمیمہ شامل ہے ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

الٰہی دے مجھے رنگیں بیانی ۔۔۔ عطا کر مجکوں یاقوت معانی

(۳) قصہ ملک مصر۔ یہ قصہ بھی فارسی نثر میں تھا۔ عاجز نے اسے

دکھنی میں نظم کیا ہے۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوتی ہے۔

رکھا ہے معلق زمیں آسماں — چلاتا ہے یونت زمین و زماں

تذکرۂ شعرائے دکن میں لکھا ہے کہ لال و گوہر عارف الدین خان عاجز کی تصنیف ہے مصنف گل رعنا نے بھی اسی کا اتباع کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے کیونکہ عارف الدین عاجز کا جو دیوان موجود ہے اور اسمیں ان کا جس قدر کلام ہے وہ سب ایہام اور ذو معنی صنعتوں سے مملو اور فارسی زبان کے اثر سے متاثر ہے۔ برخلاف اس کے لال و گوہر کی زبان بہت صاف و سادہ ہے اور اس کے ساتھ طرز ادا اور طریقہ بیان بھی دکھنی ہے اور ان کو باہم مقابلہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مختلف شاعروں کا کلام ہے۔

ٹاسی جلد اول ص۱۶۸ اسپرینگر ص۵۹۹ اسٹوارٹ ص۴۷ ایتھے نمبر ۱۷۱۷ و ۸۰۰
لسان العصر جلد اول نمبر ۵ ص۳۷

بحری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے ان کا نام قاضی محمود ہے والد کا نام بحر الدین تھا اور وہ قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے قصبہ گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے ان کا وطن تھا ۱۰۹۵ھ کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے تھے اور وہاں سکندر عادل شاہ انکا معتقد ہو گیا تھا اسکے دربار میں سال دو سال مقیم رہے

اور جب بیجاپور کی سلطنت ۱۰۹۷ھ میں تباہ ہو گئی تو وہاں سے حیدر آباد چلے آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں مثنویات، غزلیات، رباعیات اور قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ آپ نے تصنیف کیا تھا جن کے اشعار پچاس ہزار کے قریب تھے۔ بیجاپور سے حیدرآباد آتے ہوئے راستہ میں رہزنوں نے آپ کا مال واسباب لوٹ لیا اسمیں یہ ذخیرہ بھی تلف ہو گیا۔ قاضی صاحب نے یہ واقعات عروس عرفاں کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور انکے خاص الفاظ یہ ہیں۔

"سکندر عادل خاں کہ ختم والیان بیجاپور ست چندے صحبت ہا اتفاق شدہ بود۔ پیش وے یک دو سال اقامتے میداشتم۔

مثنویات و غزلیات و رباعیات و قصائد وغیرہ در معارف بزبان دکھنی و فارسی قریب پنجاہ ہزار بود۔ بعد انقراض حکومت بیجاپور ہمراہ اسبابہائے بیش قیمت را کہ سکندر عادل خاں بیجاپوری جہت نذر دادہ بحیدرآباد روانہ کردم در راہ قطاع الطریق آں اسباب ہا را تلف نمودند و ہمراہ نیز ذخیرہ کلام ہم تلف شد"

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکھی ہے جسکا نام من لگن ہے۔ یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسکی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی ہے چنانچہ خاتمہ میں اسکی تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

ہجری تھی یہی کنک برس تھے   بارا اُپر ایک سو سہس (ہزار) تھے

بعض مریدوں کی فرمایش سے [illegible] فارسی میں لکھے اور اس کا نام عروسِ عرفان رکھا یہ کتاب سنہ ۱۱۱۶ھ میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور عسیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں سید شاہ اسمٰعیل بن سید شاہ احمد القادری الملتانی بن سید محمد بن سید نور الحسن الباقری الورنگلی نے نواب شہامت جنگ بہادر کے ایما سے اسکے تمام مشکل و مغلق الفاظ کا حل لکھا ہے اور اس کا نام ارتِ من لگن رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حالات من لگن خاتمہ عروسِ عرفان و دیباچہ ارتِ من لگن سے ماخوذ ہیں من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے۔ مدراس ۱۲[illegible]ھ و ۱۳۰۰ھ بنگلور ۱۳۱۰ھ و ۱۳۳۵ھ

امین

ان کا نام شیخ محمد امین ہے اور اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ انہوں نے یوسف زلیخا کے فسانہ کو دکھنی میں منظوم کیا ہے یہ مثنوی سنہ ۱۱۰۹ھ میں ختم ہوئی ہے ضخیم کتاب ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے اسکا جو نسخہ شاہان اودھ کے کتبخانے میں دیکھا ہے۔ اسکے تین سو اوراق ہیں اور اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

اول تعریف حق خالق کی لے یار که وے دونوں جہاں کا ہے کرن ہار

اسپرنگر صفحہ ۶۰۱

ولی دکہنی

سید محمد فیاض انکا نام ہے۔ ملا محمد باقر آگاہ نے مراۃ الجنان کے دیباچہ میں لکہا ہے کہ ویلوران کا وطن تہا۔ عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ دکن میں سات گڑھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تہا۔ ولی عرصہ تک انکی رفاقت میں رہے پھر وہاں سے نکلکر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبدالمجید خاں تھے انہوں نے ولی کی قدردانی کی اور ملازمت دیکر سدہوٹ میں تعینات کر دیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچہ میں بیاں کئے ہیں

حراست خاں امیر ایک نامور تہا — سکونت گاہ اوسکوں سات گڑہ تہا

اتہا اول درد و نیک اعمال — رفاقت میں اتہا میں اسکے خوشحال

قضارا واں سوں مو قسمت نے برخاست — سو آیا میں طرف کڑپہ کے دہر خواست

نواب عبدالمجید ابن الحمید ایک — اتہا واں نامور صوبہ سعید ایک

سوا وبحر شجا پروانہ لکہہ کر — بسلک نوکراں میں منسلک کر

شجاع

تعیں کر مجکوں سدہوٹ کو روانہ — کیا او صاحب شیریں زمانہ

سو حسب الحکم میں سدہوٹ کو آیا — رنگارنگ واں تماشے بینے پایا

ولی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) قصۂ رتن و پدم۔ اس کو ولی نے سدہوٹ میں لکہا ہے۔ اس کا جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تہا اسکے چار سو صفحے تھے اور جسمیں

کم و بیش چار ہزار ابیات تھے اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

خدایا تو ہے پاک پروردگار نرنکار و آتار و آچھی اتار

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ اسکے دو مختلف مقام یہ ہیں۔

وَلی تیرے کرم کی ہے مجھے اس نکر اُس آس سوں ہرگز تو نیرا س

وَلی ہے یو سبب خالی بہانا اُسی کا کام ہے دینا دلانا

(۲) روضۃ الشہدا۔ اسمیں وَلی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں ضخیم کتاب ہے اور ۱۱۱۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

کیا ہوں جب ختم یو درد کا حال اگیارہ سو یو تھا انیسواں سال

ڈاکٹر ایتھے نے روضۃ الشہدا کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور اس کے مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

مجلسِ اول۔ ذکر وفات جناب رسالت مآب صلعم
مجلسِ دوم ذکر وفات سیدۃ النساجناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام
مجلسِ سوم ذکر وفات حضرت امیرالمومنین علی ابن ابو طالب کرم اللہ وجہہ
مجلسِ چہارم ذکر خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام
مجلسِ پنجم ذکر تولد حضرت امام حسین علیہ السلام
مجلسِ ششم ذکر شہادت فرزندان حضرت مسلمؓ
مجلسِ ہفتم روانگی حضرت امام حسین از مکہ معظمہ بسوئے دشت کربلا۔

مجلسِ ہشتم ۔ ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہدا علیہ السلام
مجلسِ نہم ۔ ذکر شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام
مجلسِ دہم ۔ بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام

انکے علاوہ ولی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جسکے پچیس بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعہ ہیں جن سے انتخاب کرکے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں

یا الہی توں بحق مصطفےٰ[۱] ہور مرتضےٰ[۲] فاطمہ خاتون جنت ہور شاہِ کربلا
عاقبت توں خیر کرنا عرض ہے میری سدا یا صاحب عرش بریں منجہ حال پر احساں کرو

یا الہی زہد و تقوی نیں ہوا منجہ ہات سوں کچہہ عبادت ہور ریاضت نیں ہوا منجہ ذات سوں
سر بسر ہوں منفعل اس کام ہور اوقات سوں یا غفور المجرمیں منجہ حال پر احساں کرو

یا الہی از طفیل انبیاء ہور اولیاء غوث اور اقطاب ہیں جتنے جہاں کے اصفیا
آبرو رکھہ دو جہاں میں یہ ولی کی التجا ہے او بندہ کمتریں منجہ حال پر احساں کرو

اسپرنگر صفحہ ۶۴۱ ! یتیمہ نمبر ۱۶۲ دیباچہ مرآۃ الجنان صفحہ ۳
روضۃ الشہدا بمبئی میں ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۶ھ میں چھپ گئی ہے ۔

وجدی

شیخ وجیہہ الدین نام ہے کرنول کے باشندے تھے صوفیانہ مشرب تھا دکنی میں کئی مثنویاں لکھی ہیں۔

(۱) مثنوی باغ جانفزا۔ یہ مثنوی ایک ضخیم مثنوی ہے اور ۱۱۴۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور مصنف نے باغ جانفزا سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔

یو ہے بیان خاتمہ جی شکر سوں بولیا ہوں میں   تاریخ جسکے ختم کا آیا ہے باغ جانفزا

۱۱۴۵ھ

دیباچہ میں وجدی نے وجہ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے وطن سے فتح آباد دہارور میں آئے اور اپنے ایک دوست عبدالقدوس کے یہاں مقیم ہوئے۔ عبدالقدوس ایک صوفی منش آدمی تھے اور انکے مرشد شاہ صادق بھی اسی زمانہ میں انکے یہاں آئے ہوئے تھے شاہ صاحب نے بر سبیل تذکرہ ایک دلچسپ فسانہ کا ذکر کیا اور وجدی سے نظم دکنی میں ترجمہ کرنے فرمایش کی کچھ عرصہ کے بعد شاہ صاحب دہارور سے اورنگ آباد تشریف لائے اور یہاں سے اس قصہ کو وجدی کے پاس روانہ کیا۔ یہ قصہ نظم فارسی میں تھا لیکن اس میں نہ مصنف کا نام تھا نہ کتاب کے نام کا پتہ چلتا تھا۔

(۲) پنچھی باچھا۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے چنانچہ اس کو خاتمہ میں اسطرح بیان کیا ہے۔

اصل میں یو تھا کلام فارسی   اہل معنی کو مثال آرسی

خوشتر ہیں تصنیف شیخ نامدار — پیشوائے عارفان روزگار

شیخ صاحبدل فرید نامور — خاص جنکا ہے لقب عطار کر

تہا ولے جوں فارسی ہیں یو کلام — کم سمجھ سکتے تھے اس کوں خاص و عام

گرچہ میں بہی کچہہ نہیں معنی شناس — کاں مجھے اس کے سمجھنے کا قیاس

لیکن اسکے دیکھکر دلچسپ بول — یک بیک یوں دل منے آیا کلول

جو موافق فہم اپنے کے ضعیف — اس کتاب خاص کا نظم شریف

قصد کر دکنی زباں میں لیکئے آؤں — تا رہے دنیا منے میرا بہی ناؤں

پروفیسر ٹاسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ستہ ۱۱۲۴ھ میں اختتام کو پہنچی ہے [نام ۱۲] ببلیوتھیک ڈر مارگن لینڈش گیشل شافٹ میں اسکا جو نسخہ ہے اس سے ستہ ۱۱۱۵ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم نے اس کے جس قدر قلمی نسخے دیکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ستہ ۱۱۴۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حسب ذیل شعر تحریر ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب — تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب

(۳) مثنوی تحفہ عاشقاں۔ شیخ فرید الدین عطار کی مثنوی گل و ہرمز کا ترجمہ ہے جو خسرو نامہ یا خسرو و گل بھی کہلاتی ہے۔

قضا را دسیا مجکوں یک بار کا — گل و ہرمز اس شیخ عطار کا

ہوا شوق پیدا منجے بعد ازاں — کہ دکنی زباں سوں کروں ترجماں

یہ مثنوی ستہ ۱۱۵۳ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اسکی تاریخ اسطرح مذکور ہے۔

دسے اسکی تاریخ مجکوں عیاں — یہ پچھانو اسے تحفہ عاشقاں

۱۱۵۳ھ

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔

کروں پاک دل ہور زباں پاک سوں ثنا پاک اس عاشق پاک کوں

ٹاسی جلد دوم صفحہ ۲۲۸ فہرست کتبخانہ جرمن اورینٹیل سوسائٹی جلد سوم صفحہ ۶۷

لسان العصر جلد اول نمبر ۵ صفحہ ۴۰

یہ بھی بارہا بمبئی اور مدراس میں کئی بار چھپا ہے بمبئی ۱۲۸۰ھ ۱۳۱۹ھ مدراس ۱۲۷۲ھ و ۱۳۱۴ھ بمبئی کے نسخے اصلاح شدہ اور کسیقدر آخر میں کم ہیں مدراس کا ۱۲۷۲ھ کا چھپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے

آزاد

فقیر اللہ نام ہے۔ حیدرآباد کے باشندے تھے۔ فراقی دکنی کے ہمراہ دہلی گئے تھے۔ وولی اورنگ آبادی کے ہمعصر ہیں۔ ولی نے ان کی غزل پر غزل لکھی ہے چنانچہ ایک شعر یہ ہے۔

آزاد سے سُنیا ہوں یہ مصرعہ مناسب
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں
پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر صفحہ ۱۰۰ میر حسن صفحہ ۹ گل رعنا صفحہ ۸

شعرائے اورنگ آباد

اورنگ آباد۔ دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ گیارہویں صدی سے پہلے اسکی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی اور کھڑکی اس کا نام تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) کیساتھ جب ملک عنبر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عنبر نے اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا اس زمانہ سے اسکی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہوگئی۔ نظام شاہیوں کی تباہی کے بعد جب بالاگھاٹ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ مقام بھی انکے قبضہ میں آگیا۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے کھڑکی کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اسکا نام اورنگ آباد رکھا[1] اسکے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت مغلیہ کا مرکز حکومت بنا رہا۔ اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے امراء اور علماء و مشائخین جن کو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بیجاپور و گولکنڈے کی سلطنتیں تباہ ہوئیں اور یہاں کے باشندے بھی پریشان و منتشر ہوکر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو شاعری کا

---

[1] ہسٹاریکل ڈسکرپٹیو جلد دوم صفحہ ۲۰

مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عرصہ میں بہت سے اردو گو شعرا پیدا ہوئے جنکے حالات سید عبدالولی عزلت کی بیاض لچھمی نارائن شفیق کے چمنستان شعرا۔ میر بہاء الدین عروج کے بہار و خزاں اور محمد افضل قاقشال کے تحفۃ الشعرا میں تحریر ہیں اور ان سے اخذ کر کے اگر ان شعرا کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہم نے بہ نظر اختصار صرف ان شعرا کا حال درج کیا ہے جنہوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

ولیؔ (اورنگ آبادی)

ولیؔ کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف کیا ہے۔ میر حسن دہلوی۔ مرزا علی لطف اور عبدالغفور خان نساخ نے انکا نام ولی اللہ لکھا ہے۔ نواب علی ابراہیم خان اور یوسف علی مرشد آبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے۔ مولانا آزاد نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لچھمی نارائن شفیق اور فتح علی گردیزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے۔ نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ فتح علی گردیزی اور قیام الدین قیام نے ولی کو دکن کا باشندہ بیان کیا ہے میر حسن دہلوی۔ قدرت اللہ قاسم۔ عبدالغفور خان نساخ اور مولانا آزاد نے گجرات کو ان کا وطن قرار دیا ہے

اور اس کے ثبوت میں ابراہیم بیاپانی نے ولی کا حسب ذیل شعر پیش کیا ہے

ولی ایران و توران میں ہے مشہور — وطن گو اسکا گجرات و دکن ہے

لیکن حقیقت میں یہ شعر اسطرح پر صحیح ہے۔

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور — اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آباد ان کا وطن ہے۔ اور شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھہ ان کے گجراتی ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ:۔

"مردماں نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است"

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہ الدین گجراتی کی اولاد سے ہیں لیکن اسکی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے۔ برخلاف اس کے لچھمی نارائن شفیق کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر شیخ وجیہ الدین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی۔ وہاں سے سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے۔ لوگوں نے نیلی گنبد میں دریا خاں کی گنبد کے قریب مدفون کیا۔

اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی کا بھی سفر کیا تھا۔ لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا اسمیں اختلاف ہے مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں

لیکن ان کے یہاں اسکی کوئی سند نہیں ہے برخلاف اس کے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی آنا ثابت ہوتا ہے اور میر حسن دہلوی۔ نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی مرشد آبادی مرزا علی لطف اور عبد الغفور خاں نساخ نے اسکو نہایت وثوق کیساتھ لکھا ہے

میر تقی میر کا بیان ہے کہ

"در شاہ جہاں آباد دہلی نیز آمدہ بود و بخدمت میاں گلشن رفت و از اشعار خود پارہ خواند۔ میاں صاحب فرمودند این ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند در ریختہ بکار ببر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت"

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولی اُس زمانہ میں دہلی آئے ہیں جب کہ شاہ گلشن وہاں موجود تھے سرخوش نے ۱۰۹۳ھ میں اپنا تذکرہ لکھا ہی اسکے مرتب ہونے سے تین چار سال پہلے ۱۰۸۹ھ یا ۱۰۹۰ھ کے قریب شاہ گلشن دہلی میں وارد ہوئے اور اس اعتبار سے ولی کے دہلی میں آنے کا زمانہ ۱۰۸۹ھ یا ۱۰۹۰ھ کے بعد قرار پاتا ہے۔

ولی کا سنہ وفات فرہنگ آصفیہ میں ۱۱۰۰ھ اور تذکرہ شعرائے دکن میں ۱۱۵۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے جو ۲ جمادی الاول ۱۱۴۳ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اسکے خاتمہ پر تحریر ہے "تمام شد دیوان ولی رحمۃ اللہ علیہ" اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولی نے ۱۱۴۳ھ سے پہلے

وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنف گلِ رعنا کا بیان ہے کہ ولی نے دیوان کے علاوہ تصوف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے لیکن وہ ناپید ہوگیا ہے۔ اس وقت صرف دیوان ملتا ہے جسمیں زیادہ حصہ غزلیات کا ہے آخر میں چند مستزاد، مخمس، ترجیع بند، اور دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ پروفیسر ٹاسی نے دیوان کو سنہ ۱۸۳۴ء میں بمقام پیرس نہایت اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اسکے بعد سنہ ۱۸۷۸ء میں بمقام لکھنؤ مطبع منشی نولکشور میں چھپا۔ قریب قریب اسی زمانہ میں اسکا ایک اور اڈیشن بمبئی میں شایع ہوا۔ لیکن یہ سب اڈیشن اس وقت کمیاب ہیں حال میں ابراہیم ساپانی نے جو دکن کالج پونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ لکچرار ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شایع کیا ہے اور اسکی ابتدا میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جسمیں ولی کے حالات اور اسکی شاعری پر تبصرہ تحریر ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضۃ الشہدا کو ولی اورنگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ولی دکھنی کی تصنیف ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے اس سے پیشتر تحریر کر دیا ہے۔

ٹاسی جلد سوم صفحہ ۲۸۱ تذکرہ یوسف علی مرشد آبادی (اسپرنگر صفحہ ۲۸۰) میر تقی صفحہ ۹۴
میر حسن صفحہ ۲۰۱ سخن شعرا صفحہ ۵۵۶ گلشن ہند صفحہ ۱۰۵ گلشن بیخار صفحہ ۲۳۷
گلستان بیخزاں صفحہ ۲۸۱ تذکرہ شعرائے دکن صفحہ ۱۱۲۷ گل رعنا صفحہ ۸۲
آب حیات صفحہ ۸۰ چمنستان شعرا نسخۂ قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ۔

داؤد

مرزا داؤد نام اور اورنگ آباد وطن ہے ولی کے معاصر ہیں سنہ ۱۱۶۸ھ میں انتقال کیا ہے۔ لچھمی نارائن شفیق نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں انکے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گو برفتہ میرزا داؤد فانی از جہاں

انکا ایک چھوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گزرا ہے جسمیں کم و بیش پانچسو اشعار ہیں جن سے انتخاب کر کے ہم ذیل میں تین شعر نقل کرتے ہیں۔

اس صنم کے خیال ابرو نے
ناتواں مجکو جوں ہلال کیا

مرا احوال چشم یار سے پوچھ
حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

چاندنی کی سیر کو کسطرح نکلے وہ صنم
دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

میر تقی ص ۱۱۱ سخن شعراء ص ۱۵۷ گل رعنا ص ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن ص ۴۲۶

سراجؔ

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے شاجہین سے تھے ۱۱۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ میر تقی اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرے اہل اہل اورنگ نے لکھے ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اسکا کہیں ذکر کیا ہے۔

سراجؔ نے اردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں جسمیں غزل، قصیدے، رباعی، مستزاد، مخمس، واسوخت، جملہ اصنافِ سخن موجود ہیں بوستانِ خیال کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو ۱۱۷۳ھ میں تمام ہوئی ہے اسکے علاوہ اپنے دواوین کا ایک انتخاب ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا ہے۔ یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو انکی عمر ۲۴ سال کی تھی اور اس حساب سے ۱۱۲۷ھ ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے۔ سراجؔ نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ ترتیب اور عمر کو اسطرح بیان کیا ہے۔

جب کیا جزو پریشانِ سخن شیرازہ بند — تھے برس چوبیس میری عمر بے بنیاد کے
سالِ ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک — واقفِ علمِ لدنی صاحبِ ارشاد کے
اے سراجؔ اس منتخب کو لکھے سب ریختے — خامۂ مژگانِ خوباں سیں ہیں قابل صاد کے

تذکرہ میر حسن ص۸۱، میر تقی ص۱۰۱، گل رعنا ص۹۰، سخن شعرا ص۲۱۳

دہلی میں زبانِ اردو

اُردو زبان دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کرلی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا تھا برخلاف اس کے ہندوستان میں بارہویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض بات چیت اور لین دین تک محدود تھی مولانا جمالی[1] ملا نوری[2] اور شیخ سعدی[3] وغیرہ نے اگرچہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اردو میں ہیں لیکن یہ باقاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی۔ اسلئے اُسے ہم اُردو شاعری کا سنگ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) کا عہد اُردو کے لئے مبارک عہد تھا۔ اس عہد میں اُردو زبان بات چیت سے گزر کر خط و کتابت تک ترقی کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی ضرورت کے وقت اس میں خط و کتابت کیا کرتے تھے جس زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب برسرِ پیکار تھے تو شاہ جہاں نے ایک شقہ شجاع کو لکھا۔ یہ شقہ کسی طرح اورنگ زیب کے

---

[1] مولانا جمالی۔ شہنشاہ بابر کے معاصر ہیں ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ دہلی میں انکا مزار ہے۔

[2] ملا نوری اعظم پور کے باشندے تھے۔ اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے۔ میر حسن نے انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جو آدھا اردو اور آدھا فارسی ہے۔

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد　　بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

[3] [illegible]

کو ملکیا اور اسکی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جسمیں لکھا ہے۔

"آں فرمانِ عالی کہ در زبان ہندی از دستخط خاص رقم فرمودہ شاید این معانی است" ۱؎

عالمگیر اورنگ زیب (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) کے رقعات فارسی میں ہیں لیکن اُن میں کثرت سے اردو الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً

"در ارسال ڈالی انبہ بہ تلافی مافات کوشند"

"دریں ضمن کرسی کچکڑہ نیز بہ نظر گذشت"

"مزۂ کھچڑی بریانی شما در زمستان یاد می آید"

"چار گھڑی روز ماندہ باز دیوان عام می فرمودند"

"شادیانۂ فتح بنوازند و حرف ایام طفولیت یاد دارند کہ باباجی دھوں دھوں ہوں"

اس زمانہ میں دربار و اہل دربار کی زبان فارسی تھی سلطنت کا دفتر فارسی میں تھا تصنیف و تالیف خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی۔ باوجود اسکے شاہ جہاں کا اردو میں شقہ لکھنا اور عالمگیر کا اپنے رقعات میں اردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اردو زبان اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہو گئی تھی۔ بازار سے شاہی محلات تک خاص و عام اسکو بولتے اور سمجھتے تھے۔

قریب قریب اسی زمانے میں اہل ہندوستان کو اردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا ملا عبد الواسع ہانسوی

۱؎ عالمگیر کی یہ عرضداشت دستور العمل آگہی میں موجود ہے۔

نے (جنکی قواعد فارسی اور گلستاں بوستاں کی شرحیں نہایت مشہور ہیں)
عالمگیر کے زمانہ میں اردو و ہندی الفاظ کا ایک لغت مدون کیا اور
اس کا نام غرائب اللغات رکھا الفاظ کے معنی فارسی میں لکھے۔ ایک
عرصہ کے بعد سراج الدین علیخان آرزو المتوفی ۱۱۶۹ھ نے اس کی
نظر ثانی کی۔ بہت سے الفاظ اور معنی اضافہ کئے۔ غلطیاں درست کیں اور
اسے نوادر الالفاظ کے نام سے موسوم کیا۔[1]

فارسی شعرا اور اردو زبان

عالمگیر کے زمانہ سے دلی میں اردو شعر گوئی نے رواج پایا اور
انہیں سب سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی موسوی خان فطرت[2]
مرزا عبدالقادر بیدل[3]۔ مرزا عبدالغنی قبول[4] وغیرہ وغیرہ فارسی
کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریح خاطر اور تفنن طبع کے لیے اردو

---

[1] ریو جلد دوم ص ۵۰۱ جلد سوم ص ۹۹۷ و ص ۱۰۳۰ و ص ۱۰۷۱

[2] میرزا معز الدین محمد موسوی خاں فطرت۔ مشہد مقدس انکا وطن ہے ۱۰۸۲ھ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے۔ عالمگیر کے امرا میں انکا شمار ہوتا ہے۔ فارسی کے نامور شاعر ہیں ۱۱۰۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ماثر الامرا جلد سوم ص ۶۳۳ خزانہ عامرہ ص ۴۲۹ سرو آزاد ص ۱۲۶ نتائج الافکار ص ۳۹۵

[3] میرزا عبدالقادر بیدل۔ عظیم آباد پٹنہ ان کا وطن ہے۔ شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے ۱۱۳۳ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص ۱۴۸ نتائج الافکار ص ۷۵) میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں انکے دو شعر نقل کئے ہیں۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں — اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا — پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

[4] میرزا عبدالغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے مرزا جویا کے شاگرد ہیں ۱۱۳۹ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص ۱۹۷) نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن — تاریک شب میں جیسے کرے پاسباں پھرے

میں بھی دو چار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہ ہی کیفیت رہی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دوسرے سال ۱۱۳۳ھ میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا۔ اہل دہلی نے اسکی خوب قدر کی۔ اس قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے اشخاص شعر گوئی کی جانب متوجہ ہو گئے[1] اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پایۂ تخت میں شعرائے اردو کا گروہ کثیر پیدا ہو گیا منجملہ انکے جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

شاہِ مبارک آبرو۔ ان کا نام نجم الدین ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیری کی اولاد سے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے ایامِ حکومت میں بمقام شاہجہان آباد ان کا انتقال ہوا ہے۔[2]

شیخ شرف الدین مضمون۔ آگرہ کے علاقہ میں بمقام باج مو انکی ولادت ہوئی ہے۔ زمانۂ شباب میں آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے زینت المساجد میں رہا کرتے تھے۔ شیخ فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے ہیں۔[3]

محمد شاکر ناجی۔ شاہ جہان آباد کے باشندے اور نواب عمدۃ الملک محمد امیر خاں کے متوسل تھے۔ شاہِ مبارک آبرو کے معاصر تھے۔ ۱۱۶۸ھ میں انکا انتقال ہوا ہے۔[4]

---

[1] رسالہ تحقیق زبان ریختہ ص۶

[2] میر تقی ص۹ میر حسن ص۳۳ گلشن ہند ص۲۵ گلشن بیخار ص۶ سخن شعرا ص۸

[3] میر تقی ص۱۵ میر حسن ص۱۶۹ گلشن ہند ص۱۶۰ گلشن بیخار ص۱۸۱ سخن شعرا ص۴۴۲

[4] میر تقی ص۲۳ میر حسن ص۱۹۹ گلشن ہند ص۱۷۲ گلشن ص۲۳۰ سخن شعرا ص۴۸۷

مصطفےٰ قلی خاں یکرنگ - شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا خان جہاں خاں لودہی کے نبیرے اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری منصبدار تھے - دہلی میں انکا انتقال ہوا ہے[۱]

شیخ ظہور الدین حاتم شاہ جہاں آباد انکا وطن تہا - عمدۃ الملک نواب امیر خاں کے مصاحب اور مرزا سودا کے اُستاد تھے انکے دو دیوان ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں سنہ ۱۱۹۶ھ میں بمقام دہلی انکا انتقال ہوا ہے[۲]

اشرف علیخاں فغاںؔ - احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے - احمد شاہ درّانی کی فوج کشی کے بعد دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت اختیار کر لی سنہ ۱۱۸۶ھ میں بمقام عظیم آباد انتقال کیا[۳]

یہ شعرا دورِ اول کے تھے اس کے بعد دور ثانی شروع ہوتا ہے اس دور کے نامور شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں (سنہ ۱۱۹۵ھ) مرزا سودا (سنہ ۱۱۹۵ھ) میر تقی میر (سنہ ۱۲۲۵ھ) خواجہ میر درد (سنہ ۱۱۹۹ھ) میر سوز (سنہ ۱۲۱۳ھ) قیام الدین قائم (سنہ ۱۲۱۰ھ) انعام اللہ خاں یقین احسن اللہ خاں بیان (سنہ ۱۲۱۳ھ) وغیرہ نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے۔

---

[۱] میر تقی صـ۱۸۱ میر حسن صـ۲۱۷ گلشن ہند صـ۱۹۵ گلشن بےخار صـ۲۴۴ سخن شعرا صـ۵۷

[۲] میر تقی صـ۹۷ میر حسن صـ۷۳ گلشن ہند صـ۸۱ سخن شعرا صـ۱۲۰

[۳] میر تقی صـ۷۳ میر حسن صـ۱۲۲ گلشن ہند صـ۱۳۰ سخن شعرا صـ۳۶۹

نثر اردو

دکن میں نثر اردو کی ابتدا

آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریباً تیس سال پہلے دکن میں نثر اردو کی ابتدا ہو چکی تھی شیخ عین الدین گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے[1] خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد[2] گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ معراج العاشقین نشاط العشق کا ترجمہ یہ سب آٹھویں اور نویں صدی کے درمیانی زمانہ میں تصنیف ہوئے ہیں اور ان سے نثر اردو کی قدامت کافی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

شیخ عین الدین کے رسائل

شیخ عین الدینؒ کے رسالے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق ہیں اور ان کا ایک مجموعہ قلعہ سینٹ جارج کی کالج لائبریری میں موجود تھا[3]

معراج العاشقین

مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے نے معراج العاشقین کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک فاضلانہ دیباچہ بھی لکھا ہے[4]۔ یہ کتاب ادبی

---

۱ مضمون ہذا ص۴۳
۲ مضمون ہذا ص۴۴
۳ مضمون ہذا ص۴۴
۴ معراج العاشقین معہ دیباچہ تاج پریس میں چھپا ہے اور تاج کے اسی نمبر میں شائع ہو رہا ہے۔

نہیں ہے بلکہ تصوف کی کتاب ہے۔ تاہم اس سے اُس زمانے کی زبان کا
تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے۔

میراں جی شمس العشاق

شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں
آپ خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب نے
شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی شیخ
جمال الدین - خواجہ بندہ نواز کے خلفا سے تھے مرزا فصیح الدین
خاکسار المعروف بہ بابا کھنجل جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمد روزگار
اور دکن کے امیر خسرو تھے آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں[1]

جل ترنگ و گل باس

حضرت میراں جی نے نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں اور
اون میں تصوف کے اسرار و نکات بیان کیے ہیں۔ منجملہ ان کے
دو رسالے ہمنے بھی دیکھے ہیں ایک کا نام جل ترنگ اور دوسرے کا
گل باس ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے
ان میں تصوف کے بعض دقیق مسائل تمثیل کے پیرائے میں بیان کیے ہیں۔

سب رس

سلطان عبداللہ قطب شاہ (سنہ ۱۰۳۵ تا سنہ ۱۰۸۳) کے زمانے میں
ایک بزرگ مولانا وجہی گزرے ہیں۔ انکی سکونت گولکنڈہ میں تھی اور
شاہی دربار سے بھی تعلق تھا سنہ ۱۰۴۵ھ میں انھوں نے ایک کتاب سب رس
کے نام سے نثر اردو میں لکھی ہے اسکی عبارت اول سے آخر تک مسجع مقفیٰ
ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولانا وجہی نے اسکے لکھنے میں ملا ظہوری

---

[1] روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۲۱ و تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۱۰۳

کی سنہ ... کی تصنیف ہے۔ جو ابراہیم عادلشاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھے گئے ہیں۔

سب رس کی بنیاد ایک فارسی کتاب پر رکھی گئی ہے۔ جو حسن و دل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا افسانہ ہے۔ اسکے ضمن میں مولانا وجہی نے اخلاق و تصوف اور پند و موعظت کے بہت نکات بیان کیئے ہیں جسکے باعث یہ ایک ضخیم کتاب ہو گئی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب بی اے۔ نے سب رس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہے اور اسمیں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر متعلقات پر خوب بحث کی ہے۔ یہ مضمون اکٹوبر ۱۹۲۴ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شایع ہوا ہے۔

حسن و دل کے افسانہ کو ذوقی اور مجرمی نے اردو میں منظوم کیا ہے۔ یہ دونوں شاعر دکھنی ہیں اور مولانا وجہی کے بعد گزرے ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب بی اے نے انکی نسبت بھی ایک مضمون لکھا ہے جو جولائی ۱۹۲۵ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شایع ہوگا۔

شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفائے عظام سے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ ۱۲ صفر ۷۳۲ھ کو انتقال فرمایا۔

آپ کے مریدوں میں شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی ایک مشہور مصنف گزرے ہیں انہوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اسکا نام نفایس الانفاس رکھا ہے اسکے علاوہ ایک ضخیم کتاب شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیاء کے نام سے لکھی ہے[1] اسکے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور انہیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے۔

سنہ [illegible]ھ کے بعد یا سلطنت قطب شاہی کے انقراض (سنہ ۱۰۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک دکھنی بزرگ میراں یعقوب نے اسکا ترجمہ زبان دکھنی میں کیا ہے[2] یہ ترجمہ نہایت صاف و سادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے۔ مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال ہور سالکاں کے مقاماں ہور مریداں ہور طالباں کے طلباں، ہور اسکے عجائبات، ہور باریکیاں کی کی شرح میں بیاں کیا گیا ہے۔

دوسرا قسم۔ حقیقت کے لوگاں یعنے پیغمبراں، ہور خاص الخاص ولیاں کے بیان میں۔

---

[1] شمائل الاتقیاء کے لئے دیکھیے ایتھے نمبر (۱۰۳۶)

[2] یہ ترجمہ کتب خانہ آصفیہ میں فن تصوف کے نمبر (۳۶۶) پر موجود ہے۔ ۱۲

تیسرا قسم ۔ خدا کے پانچو وجود، ہور ذات کی چگونگی کا۔ ہور ازل، ہور ابدالاباد کے بیان کا، ہور امر، ہور حکم، ہور قضا، ہور قدر کے نازکیاں کا ہور محمدؐ کے جنس جنس کے لوازمات کا بیان۔

چوتھا قسم ۔ مہتر آدم کی پیدایش کا، ہور صفتاں کا، ہور دنیا کے بیڑیاں کا، ہور گنہگار بندگان امیدواران ہور اینو کے میں خدا کے عنایات کا بیان۔

نور دریا کے رسالے

رائے چور میں جسکا نام عالمگیر نے فیروز نگر رکھا ہے[1] ایک خاندان نور دریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید شاہ محمد قادری[2] بیجاپور کے باشندے اور شیخ امین الدین اعلیٰ[3] المتوفی ۱۰۸۵ھ کے خلیفہ تھے عالمگیر کے زمانے میں گزرے ہیں آپ نے زبانِ دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں منجملہ انکے ایک مجموعہ میں ہم نے آپ کے دو رسالے دیکھے ہیں جن میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔

اسرار التوحید

قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ سید شاہ میر نام قصبۂ راچوتی میں گزرے ہیں۔ آپنے بھی ایک رسالہ مسائل توحید کی نسبت لکھا ہے اور اسکا نام اسرار التوحید رکھا ہے[4]

---

[1] ماثر عالمگیری صـ ۳۳۲

[2] تذکرۂ اولیائے رائچور صـ ۸

[3] شیخ امین الدین اعلیٰ کے حالات کے دیکھیے مضمون ہذا صـ ۴۴

[4] یہ رسالہ [illegible] کے کتب خانے میں موجود ہے ۱۲۰

یہ مختصر سرگزشت ہے اُن تصنیفات کی جو نثر اردو میں گیارہویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اسلیئے اُن تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارہویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں۔ تاہم اسقدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بہ نسبت عہد سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں لیکن ان میں ادبی کتابیں ایک دو سے زیادہ نہیں اور باقی جسقدر ہیں وہ سب تصوف اور مسائل دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ہند میں نثر اردو کی ابتدا

شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا بارہویں صدی سے شروع ہوئی ہے اور سب سے پہلی کتاب جو نثر اردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضلی کی دہ مجلس ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۱۴۵ھ میں تمام ہوئی ہے[1] اس کے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا[2]۔ قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین تحسین نے نوطرز مرصع لکھی[3]۔ یہ سب اُردو کی ابتدائی کتابیں تھیں۔

انہیں ایام میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قایم ہوا اور انگریزوں کو اُردو سکھانے کے لیے ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں[4] اسکے بعد نثر نویسی کو رواج عام حاصل ہو گیا۔

---

[1] آبحیات صفحہ ۲۱

[2] گلشن ہند صفحہ ۱۴۵

[3] تذکرہ خوشنویسان صفحہ ۱۳ یہ کتاب شجاع الدولہ بہادر (۱۱۶۶ھ تا ۱۱۸۸ھ) کے زمانہ میں تمام ہوئی ہے اسمیں چہار درویش کا قصہ کا ترجمہ ہے

[4] فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرسٹ کی فرمایش سے نثر اردو میں جسقدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انکی مفصل کیفیت مضامین ذیل میں دیکھیے۔ دیباچہ گلشن ہند نوشتہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے از صفحہ ۴ تا صفحہ ۲۶ گل عجائب صفحہ ۲۶ تا صفحہ ۳۱ اردو زبان اور اہل یورپ نوشتہ مولوی عبدالحق بی اے مندرجہ رسالہ انجمن ترقی اردو بابتہ

ضمیمہ اول

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ (۱۰۲)

اُردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرے ہیں تذکرہ نویسوں نے انکے نام سے ابیات ذیل نقل کئے ہیں[1]۔

قشقہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا ریت ہے — گفتا ورائے باورے اس ملک کی یہ ریت ہے

اے مردماں شہر شما کتنی بری یہ ریت ہے — ہے ہے منی پرسد کسے پردیسیا ماریت ہے

ہم نا متن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا — ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے

دو نین کی بکھیا کہوں، رو رو بجوں دل کرن کو — پیش سگ کویت دہرو پیاسا نہ جا میت ہے

سعدی بطرح انگیختہ شیر و شکر آمیختہ — در ریختہ، دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بعض تذکرہ نویسوں نے ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہی چنانچہ قائم چاندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

"اتفاق بعضے از مورخین بر آنست کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس اللہ روحہ در ہنگام سیر و سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند و مجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستان خودش ایمائے بر آن فرمودہ اند کردند و لغتے بر زبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد بر سبیل تفنن بعقد نظم در آوردہ بعد ازاں حضرت امیر خسرو بر آں بنا، طرح و لغزہائے بسیار بکار بردند۔ ہر چند سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویاں حال است و از عبارات بے مزہ تو مالا مال۔ لیکن بپاس طبیعت مشتاقان ہر جنس سخن دو سہ چہار بیت ازاں ابیات تبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی میگردد و از آثار و احوال ایں ہر دو بزرگ وارچہ نویسد کہ مورخان سلف در کتب تاریخ متداولہ ضبط نمودہ اند و اظہر من الشمس و ابین من الامس است۔"

[1] یہ اشعار نکات الشعرا اور مخزن نکات سے منقول ہیں۔

بعض تذکرہ نویسوں کی رائے میں سعدی ریختہ تو سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں

اور انہیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی کا بیان ہے۔

"سعدی دکھنی انچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطاست"

میر فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

"سعدی دکھنی از شعرائے قرار دادہ دکن است و آنکہ بعضے ایں را بہ سبب تماد

تخلص مغالطہ افتادہ ریختہ ہائے سعدی دکھنی را از عدم اطلاع و غفلت تتبع بنام

سعدی شیرازی مرقوم ساختہ اند ناشی از جہل و تسفہ است"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ

انہیں دکن سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں۔

شہنشاہِ اکبر (سنہ ۹۶۳ تا ۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے۔ ۱۰۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے

ملا نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے[1]

بختاور خاں نے لکھا ہے کہ :۔

"طبع موزوں داشتے و بزبان فارسی و ہندی شعرے نیکو گفتے" (ص ۲۸۶)

ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں

"از مشائخ عظام است خلافت از پدر بزرگوار خویش شیخ محمد مرحوم داشت و شیخ محمد

شرحے فارسی بر شاطبیہ نوشتہ قریب ہفتاد جزو۔ و خلف صدق شیخ سعدی

صاحب وجد و حال قوی بود و ظاہر و باطن مصفا داشت و دائم منبسط و متشرع بودے

و خوش وقت و آزاد زیستے بیکے از احباب در رقعہ ہنگام وداع نوشتہ بود :۔

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست   تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

وفاتش در سنہ ۱۰۰۲ھ اثنی والف بود"

---

[1] طبقات اکبری ص ۳۹۵

ضمیمۂ دوم

طوطی نامہ[1]

متعلقہ صفحہ ۶۰۵

شکاسپتتی نام سنسکرت میں ایک کتاب ہے جسکے معنے ہیں "طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں" مولانا ضیاء الدین نخشبی[2] نے ان ستر کہانیوں سے باون کہانیاں انتخاب کرکے فارسی میں اُنکا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۷۳۰ھ میں تمام ہوا۔

اسکی زبان چونکہ نہایت مشکل و مغلق تھی اسلئے فارسی میں اسکے متعدد خلاصے لکھے گئے علاوہ ازیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ اسکی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مولانا نخشبی کی کتاب کے خلاصے

(۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سلیس و آسان فارسی میں اسکا خلاصہ کیا۔

(۲) ملا سید محمد قادری نے مولانا نخشبی کی باون حکایات سے پینتیس (۳۵) حکایات

---

[1] یہ خلاصہ ہے ہمارے ایک مضمون کا جو رسالہ مخزن بابتہ جولائی ۱۹۰۱ء میں طوطا کہانی کے عنوان سے شائع ہوا ہے اور اسمیں ہم نے طوطی نامہ کی اصلیت اور اسکے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔

[2] مولانا ضیاء الدین نخشبی بہت بڑے عالم اور فارسی کے بلند پایہ مصنف گذرے ہیں بدایون کے رہنے والے تھے ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ طوطی نامہ کے علاوہ سلک السلوک عشرہ مبشرہ کلیات و جزئیات انکی مشہور و مقبول عام تصنیفات ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں انکا تذکرہ لکھا ہے۔

انتخاب کرکے انہیں گیارہویں صدی میں شرفا کی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پہلا نایاب ہے دوسرا سنہ ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں اور سنہ ۱۸۰۱ء میں لندن میں چھپا ہے اسکے بعد بمبئی سے اسکے کئی ایڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتا ہے

مولانا نخشبی کی کتاب کے تراجم

(۱) ترکی زبان میں بعہد سلطان سلیمان اعظم (۹۲۶ تا ۹۷۴ھ) شیخ عبداللہ صاری نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۲۵۲ھ میں بولاق میں اور سنہ ۱۳۰۳ھ میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے۔ جارج راسین George Rosen نے اس ترکی ترجمہ کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۸۵۸ء میں لیپزگ میں طبع ہوا ہے۔

(۲) دکھنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔

(۱) ترجمہ غواصی کا ہے جو سنہ ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ اسکا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سکرٹری انجمن ترقی اردو کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ترجمہ ابن نشاطی نے سنہ ۱۰۷۶ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جیرانس Gairans نے ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے

ملا سید محمد قادری کی کتاب کے تراجم

(۱) دکھنی میں سنہ ۱۱۴۲ھ میں ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں اسکا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتبخانہ میں موجود ہے

(۲) اردو میں سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمایش سے سنہ ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فاربس کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے۔ ہندوستان میں اسکے بیشمار ایڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتی ہے

(۳) انگریزی میں گلاڈوین Gladwin نے ترجمہ کیا جو فارسی متن کیساتھ سنہ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں چھپا ہے

(۴) جرمن میں پروفیسر اکن Iken نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۸۲۲ء میں اشٹگرٹ میں طبع ہوا ہے

ریو صفحہ ۵۳۲ - ایتھے نمبر ۷۴۳ و ۷۲۲ - رینکر جلد اول نمبر ۷۳۰

طوطی نامے کے خلاصے اور ترجمے

سنسکرت (اصل)

- **ترجمے**
  - ترکی ترجمہ — از عبداللہ صاری — مابین سنہ ۹۲۶ھ و سنہ ۹۴۷ھ
    - جرمن ترجمہ — جارج رسین — سنہ ۱۸۵۸ء
  - دکھنی ترجمہ — از ملا غواصی — سنہ ۱۰۴۹ھ
  - دکھنی ترجمہ — ابن نشاطی — سنہ ۱۰۷۶ھ
  - انگریزی ترجمہ — جیرا تن — سنہ ۱۷۹۲ء
- **خلاصے**
  - ابوالفضل علامی کا خلاصہ دسویں صدی
  - سید محمد قادری کا خلاصہ گیارہویں صدی
    - دکھنی ترجمہ — سنہ ۱۱۴۲ھ
    - انگریزی ترجمہ — از گلاڈوین — سنہ ۱۸۰۰ء
    - اردو ترجمہ — سید حیدر بخش حیدری — سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء
      - ہندی ترجمہ جسکا نام ہے شوک بہری — سنہ ۱۸۸۶ء
    - جرمن ترجمہ — پروفیسر اکمین — سنہ ۱۸۲۲ء

ضمیمہ سوم

حسن و دل

متعلقہ صفحہ ۱۰۹

حسن و دل فارسی لٹریچر کا ایک مشہور تمثیلی فسانہ ہے۔ اور اسکو نظم و نثر میں مختلف مصنفین نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) **مولانا فتاحی** - ان کا نام **یحیی سیبک** ہے **سلطان شاہرخ مرزا** (سنہ ۸۰۷ھ تا سنہ ۸۵۰ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں۔ سنہ ۸۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کے کئی تخلص تھے۔ تفاحی۔ فتاحی۔ اسراری۔ خماری۔ لیکن ان میں فتاحی زیادہ مشہور ہے۔ **حسن و دل** اور **شبستان خیال** انکی مشہور تصنیفات ہیں۔ **حسن و دل** نثر میں ہے اور زمانہ مابعد کے مصنفین نے اسکو اپنا نقش قرار دیا ہے۔

دولت شاہ طبع لاہور صفحہ ۲۸۶ - طبع بمبئی صفحہ ۱۸۳ طبع لیڈن صفحہ ۴۱۱ - حبیب السیر جلد سوم جزو سوم صفحہ ۱۴۸

(۲) **مولانا صرفی** - نام صلاح الدین ہے **ساوہ** کے رہنے والے اور ملا محتشم کاشی کے شاگرد تھے۔ **شہنشاہ اکبر** کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور کچھ عرصہ **ملا نظام الدین احمد** کے ساتھ **گجرات** میں بسر کیا پھر **فیضی** کیساتھ دکن چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا **حسن و دل** کو انہوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے۔ یہ نہایت موثر اور زوردار مثنوی ہے۔

طبقات اکبری صفحہ ۴۰۰ بدایونی صفحہ ۳۵۷ آتشکدہ صفحہ ۲۲۶

(۳) **بیخود ملا جامی** ان کا لقب ہے۔ لاہور کے رہنے والے تھے۔ عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں **نامدار خاں** خطاب عنایت کیا تھا تاریخ خوب کہا کرتے تھے سنہ ۱۰۸۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے **حسن و دل** کو انہوں نے بھی

نظم کیا ہے نہایت اچھی مثنوی ہے اور ابتدا اسکی مصرعہ ذیل سے ہوئی ہے۔
"الہی بہ مستان بزم نیاز" سرخوش نے کلمات الشعرا میں انکے حالات لکھے ہیں۔

(۴) خواجہ محمد بیدل۔ یہ بزرگ شیخ عبدالقادر بیدل کے علاوہ ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ انہوں نے حسن و دل کو نثر فارسی میں لکھا ہے "داغ دل بند" سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔ ابتداء کی پہلی سطر یہ ہے "گوہر بحر حمد و ثنا و جواہر معدن شکر و عطا نثار بارگاہ آں بادشاہ کشور حسن و جمال"
ڈاکٹر ڈیورک نے مولانا فتاحی کے حسن و دل کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے اور اسے فارسی متن کے ساتھ چھپوایا ہے۔

Sitzungsberichte der Wiener
Akademie Vol 118 No IV. Viene 1889
Neupersische Litteratur G. I. Ph.
Vol. II. PP 334.